فہرست

[دیباچہ 2](#_Toc494557149)

[موجودہ عمرانی مسائل کاتا ریخی پس منظر 3](#_Toc494557150)

[نظام جاگیرداری 3](#_Toc494557151)

[نشاۃثانیہ 5](#_Toc494557152)

[دور متوسط کا لبر لزم 6](#_Toc494557153)

[صنعتی انقلاب 7](#_Toc494557154)

[جدید لبرلزم 8](#_Toc494557155)

[جدید نظام سرمایہ داری 9](#_Toc494557156)

[بے قید معیشت کے اصول 9](#_Toc494557157)

[2۔آزادی سعی کا حق 10](#_Toc494557158)

[3-ذاتی نفع کا محرک عمل ہونا۔ 10](#_Toc494557159)

[4 - مقابلہ اور مسابقت۔ 11](#_Toc494557160)

[5-اجیر اور مستاجر کے حقوق کا فرق۔ 11](#_Toc494557161)

[6 ۔ارتقا کے فطری اسباب پر اعتماد۔ 12](#_Toc494557162)

[7-ریاست کی عدم مداخلت ۔ 12](#_Toc494557163)

[خرابی کے اسباب 13](#_Toc494557164)

[سو شلزم اور کمیونزم 19](#_Toc494557165)

[سوشلزم اور اس کے اصول 20](#_Toc494557166)

[کمیونزم اور اس کا میزانیہ نفع و نقصان 22](#_Toc494557167)

[فوائد 23](#_Toc494557168)

[نقصانات 24](#_Toc494557169)

[رد عمل 30](#_Toc494557170)

[فاشزم اور نازی ازم 30](#_Toc494557171)

[صحیح اور مفید کام 31](#_Toc494557172)

[حماقتیں اور نقصانات 33](#_Toc494557173)

[نظام سرمایہ داری کی اندرونی اصلاحات 34](#_Toc494557174)

[وہ خرابیاں جو اب تک نظام سرمایہ داری میں با قی ہیں 36](#_Toc494557175)

[تاریخ کا سبق 39](#_Toc494557176)

[اصلی الجھن 40](#_Toc494557177)

[اسلامی نظم معیشت کے بنیادی ارکان 41](#_Toc494557178)

[1۔ اکتساب مال کے ذرائع میں جائز اور نا جائز کی تفریق 42](#_Toc494557179)

[2۔ مال جمع کرنے کی ممانعت 43](#_Toc494557180)

[3۔خرچ کرنے کا حکم : 44](#_Toc494557181)

[4 ۔زکوۃ 48](#_Toc494557182)

[5۔قانون وراثت 50](#_Toc494557183)

[6۔غنائم جنگ اور اموال منقوحہ کی تقسیم 50](#_Toc494557184)

[7۔اقتصاد کا حکم 52](#_Toc494557185)

[جدید معاشی پیچیدگیوں کا 55](#_Toc494557186)

[اسلامی حل 55](#_Toc494557187)

[چند بنیادی حقیقتیں 55](#_Toc494557188)

[تشخیص مرض 57](#_Toc494557189)

[اسلامی علاج 58](#_Toc494557190)

[1۔زمین کی ملکیت 58](#_Toc494557191)

[2۔دوسرے ذرائع پیداوار 59](#_Toc494557192)

[3۔مالیات 61](#_Toc494557193)

[زکوۃ 62](#_Toc494557194)

[5۔حکومت کی محدود مداخلت 63](#_Toc494557195)

[متوازن معیشت کے چار بنیادی اصول 63](#_Toc494557196)

بسم اللہ الرحمن الر حیم

# دیباچہ

یہ مختصر رسالہ میری کتاب "سود" کے ان ابواب کا مجموعہ ہے جواس سے پہلے کتاب مذکور کےحصہ اول ودوم میں شائع ہو چکے ہیں۔جن حالات میں یہ دونو ں حصے مر تب ہوئےتھے ان کی وجہ سے اس کی تر تیب ناظر ین کے ذہین کے لیے اچھی خاصی پرشان کن بن گئی تھی۔اب ازسر نو ترتیب کے موقع پریہ مناسب معلوم ہوا کہ اس کے جن حصوں کا تعلق براہ راست سود کے مسئلے سے نہیں ہے انہیں الگ کر کےایک جداگا نہ رسالہ کی شکل میں شائع کیا جائے ،اور "سود"کے عنوان سے صرف ان ابواب کو جمع کیا جائےجن میں براہ راست مسلہ سود پر بحث کی گئ ہے۔

ابوالاعلی

# موجودہ عمرانی مسائل کاتا ریخی پس منظر

قریب کے زمانے میں دنیا کی فکری امامت اور عملی تدبیر،دونو ںہی کا سر رشتہ اہل مغرب کے ہاتھ میں ہے۔اس لئے بالکل ایک قدرتی نتیجہ کے طور پرآج کی صورت حا ل یہ ہے کہ تمدن اور سیاست اور معشیت کے بارے میں ہمارےبیشتر مسائل اور ان مسائل میں ہماری الجھنیں ان حالات کی پیداوار ہیں جو مغربی ز ندگی میں انہی مسائل اور انہی الجھنوں کی پیدائش کے موجب ہو ئے ہیں ،اور اس کےساتھ یہ بھی اس امانت ہی کا ایک فطری اثر ہےکہ ہمارےسوچنے سمجھنے والےلوگوں کی اکثریت ان مسائل کے حل کی انہی صورتوںمیں اپنے لئے رہنمائی تلاش کر رہی ہےجو مغربی مدبرین ومفکرین نے پیش کی ہیں ۔اس لئے یہ ناگریز ہےکہ ہم سب سےپہلےموجودہ عمرانی مسائل کےتاریخی پس پر ایک نگاہ ڈال لیں اور یہ بھی دیکھتے چلیں کہ ان مسائل کے حل جو صورتیں آج تجویزیا اختیارکی جارہی ہیں ان کا شجرہ نسب کیا ہے ۔اس تاریخی بیان کی روشنی میں وہ مباحث زیادہ اچھی طرح سمجھ میں آسکیں گےجن پر ہمیں اپنےموضوع کے سلسلےمیں گفتگو کرنی ہے۔

## نظام جاگیرداری

پانچویں صدی عیسوی میں جب مغربی رومن امپائر کا نظام درہم برہم ہوا تو یورپ کی تمدنی،سیاسی اور معاشی وحدت پارہ پارہ ہوگئی،جس رشتے نے مختلف قوموں اورملکوں کو باہم مربوط کر رکھاتھا وہ ٹوٹ گیا ،اور جس انتظام نے اس ربط وتعلق کوممکن بنا رکھا تھا وہ بھی قائم نہ رہا ۔اگرچہ رومی قانون،ورمی عالمگیریت اور رومیوں کے سیاسی افکار کا ایک نقش تو اہل مغرب کے ذ ہن پر ضرور باقی رہ گیا جو آج تک موجود ہے ،لیکن سلطنت کے ٹوٹنے سےسارا یورپ بیشمار چھوٹے چھو ٹے اجزا میں بٹ گیا ۔ایک ایک جغرافی خطے کے کئی کئی ٹکرے ہو گئے ۔کہیں کسی ایک نسل کے لوگ اور ایک زبان بولنے والےلوگ بھی اپنی وحدت قائم نہ رکھ سکے۔ساری مملکت تقسیم در تقسیم ہو کر ایسے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں متفرق ہو گئ جن کا انتظا م مقامی رئیس اور جاگیر دار سنبھال سکتے تھے ۔اس طرح یورپ میں اس نظام زندگی کا آغاز ہوا جس کو اصطلاحا "نظام جاگیرداری ") feudal system)کہا جاتا ہے ۔اس نظام میں بتدریج جوجو خصوصیات پیدا ہوئیں اور آگے چل کر سختی کے ساتھ منجمد ہوتی چلی گئی وہ یہ تھیں :

1 –بنائے اقتدار مملکت ز میں قرار پائی ۔عزت، طاقبت بالا دستی اور مستقل حقوق صر ف ان لوگوں کے لئے محفوظ ہوگئے جو کسی علاقے میں مالکاں زمین ہوں ۔وہ ہی اپنے علاقے میں امن قائم کرتے تھے ۔انہی سے رئیس یا جاگیردار یا بادشاہ کا براہ راست تعلق ہو تا تھا ۔ انہی کی سرپرستی میں علاقے کے وہ سب لوگ زندگی بسر کرتے تھے جو مالکان زمین کے طبقے سے تعلق نہ رکھتے ہوں ۔خواہ وہ مزاعین ہوں یا اہل حرفہ یا اہل تجارت ۔یہ سب گویا رعیت تھے ۔پھر خود اس رعیت میں بھی بہت سے طبقات تھے جن میں سے کوئی اونچا تھا اور کوئی نیچا ۔یہ طبقاتی تقسیم اور اس تقسیم کی بنا پرمراتب اور حیثیات اور حقوق کی تقسیم اس سوسائٹی میں گہری جڑوں کے ساتھ جم گئی تھی۔اس طرح نظام جاگیرداری کا معاشرہ ایک زینے کی سی شکل اختیار کر گیا تھا جس کی ہر سیڑھی پر بٹیھنے والا اپنے سے نیچے والےکا خدا اور اپنے سے اوپر والے کا بندہ بنا ہوا تھا ۔اس میں سب سے اوپر علاقے کے والی ریاست کا خاندان ہوتا تھا اور سب سے نیچے وہ غریب خاندان ہوتے تھے جو کسی پر بھی اپنی خدائی کا زور چلا سکتے تھے

2-مسیحی کلیسا جو خدا کے نام پر لوگو ں سے بات کرتا تھا،مگر جس کے پاس فی الحقیقت کوئی خدائی قانون اور کوئی اصولی ہدایت نامہ موجود نہ تھا ،اس وقت یورپ میں نیا نیا قائم ہوا تھا ۔اس نے اس نوخیز نظام جاگیر داری سے موافقت کر لی اور وہ ان تمام روایتی اداروں اورحقوق اور امتیازات اور پابندیوں کو مذہبی سند عطا کرتا چلا گیا جو اس نظام کے ساتھ ساتھ معاشرے میں جڑ پکڑ رہے تھے ۔ہر خیال جو پرانا ہو گیا تھا کلیسا کا عقیدہ بن گیا اور اس کے خلاف کچھ سوچنا کفر قرار پایا ،ہر رسم جو پڑ گئی شر یعت بن کر رہ گئی اور اس سے انحراف کے معنی دین سے انحراف کے ہو گئے ۔ادب و فلسفہ ہو یا معاشرت اورسیاست اور معیشت جس چیز کی بھی جوشکل نظام جاگیرداری میں قائم ہو گئی تھی ۔کلیسا نے اس کو خدا کی دی ہوئی شکل ٹھہرا دیا اور اس بنا پر اس کو بدلنے کی کوشش جرم ہی نہیں ،حرام بھی ہو گئی ۔

3-چونکہ کوئی ایسا مرکزی اقتدار موجود نہ تھاجو بڑی بڑی شا ہراہوں کو تقسیم کرتا اور انھیں درست حالت میں رکھتا اور ان پر امن قائم کرتا ،اس لئے دور دراز کے سفر ،اور بڑے پیمانے پر تجارت ،اور کثیرمقدار میں اشیا کی تیاری اور کھپت ،غرض اس قسم کی ساری سرگرمیاں بند ہو گیں اور تجارتیں ،صنعتیں اور ذہینتیں سب ان چھوٹے چھوٹے خطوں میں سکڑ کر رہ گئیں ۔جن کے حدود اربعہ جاگیر داروں کے اقتدار نے کھینچ رکھے تھے ۔

4 –صنعت اور تجارت کا ایک ایک شعبہ ایک ایک کاروباری اور پیشہ ور بر ادری کا اجارہ بن گیا ۔نہ برادری کا کوئی آدمی اپنے پیشے سے نکل سکتا تھا اور نہ کوئی بیرونی آدمی کسی پیشے میں داخل ہو سکتا تھا۔ہر برادری اپنے کام کو اپنے حلقے میں محدود رکھنے پر مصر تھی۔مال مقامی اور فوری ضروریات کے لئے تیار ہوتا ،آس پاس کے علاقوں ہی میں کھپ جاتا ،اور زیا دہ تر اجناس کے بدلے اس کا تبادلہ ہو جاتا ۔ان مختلف اسباب نے ترقی،توسیع، ایجاد ،فنی اصلاح،اور اجتماع سرمایہ کا در وازہ تقریبا بند کر رکھا تھا ۔ان خرابیوں کو جو رومن امپائر کے زوال وسقوط سے پیدا ہوئی تھی ،ہولی رومن امپائر کے قیام نے کچھ بھی دور نہ کیا ۔یورپ اور قیصر نے چاہےروحانی و اخلاقی اور کسی حد تک سیاسی حیثیت سے ایک رشتہ وحدت یورپ کو بہم پنچا د یا ہو ،لیکن جاگیر دارنہ نظام میں تمدن و معاشرت اور معشیت کی جو صورت بن چکی تھی وہ نہ صرف یہ کہ بدلی نہیں ،بلکہ ایسی مضبوط بنیادوں پہ قائم ہوگئی کہ اس کے سوا نظام زندگی کی دوسری صورت گویا سوچی ہی نہ جا سکتی تھی۔

## نشاۃثانیہ

اس جمود کے ٹوٹنے کی ابتدا کس طرح،کن اسباب سے ہوئی اور کس طر ح یو رپ میں وہ ہم گیر تحریک اٹھی جو نشاۃ ثانیہ (Renaissance)کے نام سے مشہو ر ہے ،یہ بحث ہمارے موضو ع سے بہت ہٹی ہوئی ہے۔مختصرا یہ سمجھیے کہ ایک طرف ہسپانیہ اور صقیلہ پر مسلمانوں کے قبضے اور دوسری طرف صلیبی لڑائیوں نے اہل مغرب کو دنیا کی ان قوموں سے دوچار کیا جو اس وقت تہذیب و تمدن کی علمبردار تھیں ۔ اگرچہ تعصب کے اس پردے نے جو کلیسا کے اثر سے اہل مغرب کی آنکھو ں پر پڑا ہوا تھا، ان لوگوں کوبراہ راست اسلام کی طرف تو متوجہ نہ ہونے دیا لیکں مسلمانوں سے جو سابقہ ان کو پیش آیا اس کا یہ فائدہ ضرور ہوا کہ خیالات،معلومات اور ترقی یافتہ طریقوں کی ایک وسیع دولت ان کے ہاتھ آئی اور آخر کار ایک نئے دور کے آغاز کی موجب ہوئی۔

چودھویں صدی سے لے کر سولھویں صدی تک کا زمانہ یورپ کی تاریخ میں دور متوسط سے دورجدید کی طرف عبورکا زمانہ تھا۔اس زمانے میں مغربی زندگی کا ہر پہلو ان اثرات کی وجہ سے حرکت میں آگيا جوبیرونی دنیا سے درآمد ہو رہے تھے ۔طبیعات،طب،ریاضی،انجینئرنگ اور دوسرے شعبوں میں اہل مغرب کا علم بڑھنا شروع ہوا ۔پریس کی ایجاد نے اشاعت خیالات اوراشاعت علم کی وفتار تیز کر دی۔علمی بیداری کے ساتھ لازما ہر شعبہ حیات میں تنقیدواصلاح کا سلسلہ چل پڑا۔نئے فنون کی واقفیت نے صنعت،زراعت،تجارت اور عام طور پر پورے تمدن میں جان ڈال دی۔پھر نئی جغرافیائی دریافتوں سے فکرو نظر میں بھی وسعت پیدا ہونے لگی اور اس کے ساتھ اہل مغرب کے لئے دوردراز کے ملکوں میں ایسی منڈیاں بھی کھلنی شروع ہوگئیں جہاں وہ اپنے ملک کی مصنوعات اور خام پیداوار نکال سکیں اور دوسرے ملکوں کی مصنوعات اور خام مال خرید سکیں ۔ان مواقع سے تجارت کا وہ بازار جو صدیوں سے سرد پڑا ہوا تھا،ازسر نو گرم ہونے لگا ۔تمام رکاوٹوں کے باوجود یورپ کے اندر اور باہر بھی سو داگروں کا کاروبار پھیلنا شروع ہوا۔بڑے بڑے تجارتی چوراہوں پر شہر بستے اور بڑھتے چلے گئے ۔دولت،طاقت،ذہانت،تہذیب اور تمدن کا مرکز بتدریج جاگیروں اور ریاستوں کے قصباتی صدر مقامات سے ہٹ کےان کا بڑے بڑ ے شہروں کی طرف سرکنے لگا ۔جو تجارت اور صنعت اور جدید علمی وادبی حرکت کا مرکز بن رہے تھے ۔

اس نئی حرکت کے میر کارواں وہ "بورژوا"طبقہ کے لوگ (یعنی سوداگر ،ساہوکار ،اہل حرفہ اور بحری تجار وغیرہ )تھے جو ترقی کے ان مواقع سے مستفید ہو رہے تھے ،شہروں میں آباد تھے ،باہر آمدورفت رکھتے تھے یا کم از کم باہر سے آنے واےاثرات کی زد میں تھے ۔ان کے اندر تغیر اور ترقی کی ایک لگن پید ا ہو چکی تھی ۔ لیکن ان لوگوں کے ابھرنے اور آگےبڑھنے میں ہر طرف سےان فکری،اخلاقی ،مذہبی،معاشی اور سیاسی و معاشی بندشوں نے سخت روکاوٹیں عائد کر رکھی تھیں جو کلیسا اور جاگیرداری کے گٹھ جوڑ سے قائم ہوئی تھیں ۔ زندگی کے جس شعبے میں بھی یہ لوگ بنے اور جمے ہوئے دائروں سےقدم باہر نکالتے ،پادری اور جاگیردار،دونوں مل کر ان کاراستہ روک لیتےتھے ۔اس بنا پران دونو ں طاقتوں کے خلاف ایک ہمہ گیر کشمکش کا آغاز ہوا اور ایک چو مکھی لڑائی ہر میدان میں چھڑ گئی۔علم و ادب کے میدان میں کلیسا کے عائد کردہ ذہنی استبداد کو چیلنج کیا گیا اور آز ادی فکر و تحقیق پر زور دیا گیا۔معیشت اور معاشرت اور سیاست کے میدان میں جاگیرداروں کو چیلنج کیا گیا اور ان سارے امتیازات کے خلاف آواز اٹھائی گئی جو نظام جاگیر داری کے تحت قائم تھے ۔آہستہ آہستہ یہ جنگ پرانے نظام کی پسپائی اور ان نو خیز طاقتوں کی پیش قدمی پر منتج ہوتی چلی گئی اور سو لہویں صدی تک پہنچتےپہنچتے یہ نوبت آ گئی کہ یورپ کے مختلف ملکوں میں چھوٹی چھوٹی جاگیر داریاں ٹوٹ ٹوٹ کر بڑی بڑ ی قومی ریاستوں میں جذ ب ہونے لگیں ۔یورپ کے روحانی تسلط کا طلسم ٹوٹ گیا نئی قومی ریاستوں کے غیر مذہبی حکمرانوں نے کلیسا کی املاک ضبط کر نا شرو ع کر دیں ۔ایک عالمگیر مذہبی نظام کو چھوڑ کر مختلف قوموں نے اپنے اپنے الگ کلیسا بنانا شروع کر دئیے جو قومی ریاستوں کے حریف یا شریک و سہیم ہونے کی بجائے ان کے دست نگر تھے ،اور اس طرح چرچ اور جاگیر داری کے مشتر ک غلبے کی بندشیں ٹوٹنے کے ساتھ ساتھ "بورژوا"طبقہ ان معاشرتی اور رواتیی روکاٹوں سے آزاد ہو تا چلا گیا ۔جو اس پرانے نظام نے اس کی راہ میں حائل کر رکھی تھیں ۔

## دور متوسط کا لبر لزم

کلیسا اور جاگیر داری کے خلاف یہ جنگ جن نظریات کی بنا پر لڑئی گئی ان کا سر عنوان تھا " لبرلزم "یعنی "وسیع الشربی "۔ نئے دور کے علمبردار زندگی کے ہر شعبے اور فکروعمل کے ہر میدان میں وسعت مشرب، فیاضی ،فراغ دلی اور کشادگی کا وعظ کہتے تھے ۔عام اس سے کہ وہ مذہب اور فلسفے اور علم و فن کے میدان ہوں ،یا معاشرت اور تمدن اور سیاست اور معیشت کے میدان۔وہ ترقی پسند انسان کے راستے سے ہر طرف بندشوں اور رکاوٹوں اور تنگیوں اور سختیوں کو دور کر دینا چا ہتے تھے ۔

اس کشمکش میں اگر اہل کلیسا اور جاگیرداروں کی تنگ خیالی ایک انتہا پرتھی تو ان بورژو حضرات کی و سعت مشرب دوسری انتہا کی طرف چلی جا رہی تھی ۔دونوں طرف خودغرصیاں کار فرماتھیں ۔حق اور انصاف اور علم صحیح اور فکر صالح سے دونوں کوکچھ واسطہ نہیں تھا ۔ایک گروہ نے اگر بے اصل عقائد،ناروا امتیازات اور زبردستی کے قائم کردہ حقوق کی ممانعت میں خدا اور دین اور اخلاق کا نام استعمال کیا،تو دوسرے گروہ نے اس کی ضد میں آزاد خیالی اور وسیع المشربی کے نام سے مذہب و اخلاق کی ان صداقتوں کو بھی متزلزل کرنا شروع کر دیاجو ہمیشہ سے مسلم چلی آ رہی تھیں۔یہ ہی زمانہ تھا جس میں سیاست کا رشتہ اخلاق سے توڑا گیااور میکیاویلی نے کھلم کھلا اس نظریہ کی وکالت کی کہ سیا سی اغراض و صصالح کے معاملے میں اخلاقی اصولوں کا لحاظ کرنے کی کو ئی ضرورت نہیں ہے ۔یہ ہی زمانہ تھا جس میں کلیسا اور جاگیر داروں کے بالمقابل قومیت اور قوم پرستی اور قومی ریاست کے بت تراشے گئے۔اور اس فتنے کی بنیاد ڈالی گئی جس کی بدولت آج دنیا لڑائیوں اور عداوتوں کا ایک آتش فشاں بنی ہوئی ہے۔اوریہ وہ زمانہ تھاجس میں پہلی مرتبہ سود کے جائز ومباح ہو نےکا تخیل پیدا ہوا،حالانکہ قدیم ترین زمانےسے تمام دنیا کے اہل دین واخلاق اور علما قانون اس چیز کی حرمت پر متفق تھے۔صرف تورات اور قرآن ہی نے اس کو حرام ٹھہرایا تھا بلکہ ارسطو اور افلاطون بھی اس کی حرمت کے قائل تھے۔یونان اور روم کے قوانین میں بھی یہ چیز ممنوع تھی۔لیکن نشاۃ ثانیہ کے دور میں جب بورژوا طبقہ نےمسیحی کلیسا کے خلاف بغاوت کا علم بلند کیاتو پہلے سود کو ایک ناگزیر برائی کہنا شروع کیا گیا ۔یہاں تک کہ اس پرزور پروپگینڈا سے مرعوب ہو کر مسیحی متجدد ین (Reformists ) بھی اس کو انسانی کمزوری کے عذر کی بنا پر "اضطرارا"جائز ٹھہرائے گئے،پھر رفتہ رفتہ ساری اخلاقی گفتگو صر ف شرع سود پر مرکوز ہو گئی اور ممتاز اہل فکر اپنا سارازوراس بحث پرصرف کرنے لگے کے سود کی شرع "معقول "ہونی چاہے ،اور آخر کار یہ تخیل جڑ پکڑ گیاکہ مذہب واخلاق کو کا روباری معاملات سے کیا غرض۔معاشی حیثیت سے سود سراسر ایک

فطری اور معقول چیز ہے ،جس طرح کرایہ مکان کے خلاف کچھ نہیں کہا جا سکتااسی طرح سود کے خلاف بھی کوئی عقلی دلیل موجود نہیں ہے !

لطف یہ ہے کہ نشاۃثانیہ ہی کے دور میں اس بورژواطبقے نے اپنی اس وسیع المشربی کا صور پھونک پھونک کر پادریوں اور جاگیرداروں اور مالکان زمین کے قبضے سے جتنا میدان نکالا اس کے وہ خود ہی تنہا "حقدار" بنتے چلے گئے ان کی وسیع المشربی نے ان کو یہ یاد نہ دلایا کہ ان سے فرد تک ایک اور طبقہ عوام الناس کا بھی موجود ہے جو جاگیرداری نظام میں ان کی بہ نسبت زیادہ مظلوم تھااور اب اس لبرل نظام کے فوائد میں سے وہ بھی حصہ پانےکا حق رکھتا تھا۔مثال کے طور پرجب انگلستان میں پارلیمنٹری طرز حکومت کی بنا پڑی اور پارلمنیٹ میں اصل اقتدار امراء(لارڈس)کے ہاتھوں سے نکل کر "عوام" (کامنتر)کے ہاتھ میں آیا تو اس سارے اقتدار کو ان وسیع المشرب بورژوا حضرات نے ہی اچک لیا ۔جن دلائل سے انھوں نے اپنے لئے ووٹ کا حق حاصل کیا تھاوہ دلائل نچلے طبقے کے عوام کوووٹ کا حق دینے سے انکار کرتے وقت ان کو یاد نہ آئے۔

## صنعتی انقلاب

اٹھارویں صدی عیسوی میں مشین کی ایجاد نے اس انقلاب کی رقتار کو بد ر جہا زیادہ تیز کر دیا ۔جس کی ابتدا نشاۃثانیہ کے دور میں ہوئی ۔نئی سائنٹفک معلومات اور ایجادات کو جب صنعت و حر فت،ز راعت اور وسائل آمدورفت میں استعمال کیا گیا تو اتنے بڑے پیمانے پر مصنوعات کی تیاری،خام پیداوار کی فراہمی اور دنیا کے گوشے گوشے میں تیار مال کی کھپت کا سلسلہ چل پڑاجس کا تصوربھی اس سے پہلے نہ کیا گيا تھا۔

اس عظیم الشان انقلاب نے ترقی ،خوشحالی اور قوت اقتدار کے جن مواقع کا دروازہ کھولا ان سے فائدہ اٹھانے کے لئے قریب ترین گروہ اگر کوئی تھا تو وہی"بورژوا"گروہ تھاجو نشاۃثانیہ دور میں ابھر آیا تھا۔کیونکہ صنعت وتجارت اسی کے ہاتھ میں تھی،سرمایہ بھی اسی کے پاس تھا،اور علم و ادب پر بھی وہی چھایا ہوا تھا ۔اس نے سر مایہ اور فنی قابلیت اور تنظیمی صلاحیت،تینوں کے اشتراک سے صنعت اور کا روبار کا ایک نیا نظام بنا کھڑا کیا جسے "جدید نظام سرمایہ داری "کہا جاتا ہے ۔اس نظام کے تحت شہروں میں بڑے بڑےکا ر خانے اور تجارتی ادارے قائم ہوئے۔ پیشہ ور برادریوں کے پرانے حلقے ٹوٹ گئے ۔چھوٹے چھوٹے کار خانوں اور منفردکاریگروں اور چھوٹی پونچی والے دکانداروں کے لئے دائرہ زندگی تنگ ہو گیا ۔دیہات و قصبات کے پیشہ ورلوگ مجبور ہو گئے شہروں میں آئیں اور ان بڑے کارخانہ داروں کے دروازے پر مزدور کی حیثیت سے جا کھڑے ہو ں اورچھوٹے موٹےسوداگر اور کا روباری لوگ بھی مجبور ہو گئے کہ ان بڑے صناعو ں اور تاجروں کی ملازمت یا ایجنسی قبول کر لیں۔اس طرح سائنس کی نئی دریافتوں سے جو طاقت آئی تھی اسے بورژوا طبقے نے اچک لیااور اپنی قتوحات کا دائرہ پھیلانا شروع کر دیا

اس دائرے کے پھیلاؤ میں سب سے بڑی رکاوٹ وہ قومی ریاستیں تھیں جو نشاۃثانیہ کی تحریک کے نتیجہ میں پیدا ہوئی تھیں اور ان ریا ستوں کے مطلق العنان بادشاہ"خدادادحق"کے مدعی تھے۔سابق جاگیرداروں نظام کے امرا ء ان بادشاہوں کی پناہ گاہ بن گئے تھے اور قومی کلیسا ان کے لئے مذہبی و روحانی پشت پناہ تھے۔ سارا سیاسی اقتدار اسی تثلیث کے قبضے میں تھا،اور بورژوا طبقےکے لئے اس تثلیث کی فرمانروائی طرح طرح کی رکاوٹیں پیداکرتی تھی۔اس کی ڈالی ہوئی رکاوٹیں نہ صرف صنعت اور تجارت کے میدان میں اس طبقے کی پیش قدمی کو روکتی تھیں،بلکہ تمدن اور معاشرت میں بھی دور جاگیرداری کے وہ بہت سے باقیات ابھی موجود تھے جو اس نوخیز طبقے کو ناگوار تھے ۔

## جدید لبرلزم

اس دور میں دہی"لبرلزم" جس نے پچھلی لڑائی جیتی تھی،نئے ہتھیاروں سے مسلح ہو کر اٹھااور اس نے سیاست میں جمہوریت کا تمدن و معاشرت ادب و اخلاق میں انفرادی آزادی کا اور معاشیات میں بے قیدی ) (laissez faire policyکا صور پھونکھنا شروع کیا۔ ان کا کہنا یہ تھا کہ چرچ ہو ، اسٹیٹ ہو یا سوسائٹی، یا کسی بھی فرد کی سعی ارتقا ء اور سعی انتفاع میں رکا وٹیں عا ئد کر نے کا حق نہیں ہے ۔ ہر شخص کو بالکل آزادی کے ساتھ یہ مو قع حا صل ہونا چاہئے کہ قوتوں اورقابلیتوں کو اپنے ر جحانات کے مطابق استعمال کر ے۔اور جتنا آگے بڑھ سکتا ہے بڑھتا چلا جا‎ئے۔ خود سو سا ئٹی کے مفاد کی بھی بہترین خدمت اسی طر ح ہو سکتی ہے کہ اس کے ہر فرد کو غیر محدود آزادی حاصل ہو ۔ہر شعبہ حیات اور ہر راد عمل میں مکمل آزادی۔ہر خارجی رکاوٹ سے ،ہر رسمی قید سے،ہر مذہبی واخلاقی بندش سےاور ہر قانونی یا اجتماعی مداخلت سے پوری آزادی۔

اس طر ح اس نظر یہ کے حامیوں نے ہر طرف رواداری،بے قیدی،اباحیت،انفرادیت اور قصہ مختصریہ کہ اپنی اصطلاح خاص میں "مقبولیت" کو برسر کارلانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔

سیاست میں ان کا مطالبہ یہ تھا کہ حکو مت کے اختیارات کم سے کم ہوں اور ہر فرو کی آزادی کے حدود زیا دہ سے زیا دہ ۔حکومت صرف ایک عدل قائم کرنے والی ایجنسی ہو جو افراد کو ایک دوسرے کے حدود میں دخل انداز ہو نے سے ر وکتی ر ہے اور انفرادی آزادی کی حفا ظت کرے ۔باقی رہی معاشی و تمدنی زندگی،تو اس کا سارا کا روبار افراد کی سعی و عمل اور فکر و تدبر کے بل پر چلنا چاہئے ۔اس میں حکومت کو نہ عامل کی حیثیت ہی سےدخل دینے کی ضرورت ہے اور نہ ہی رہنما کی حیثیت سے ۔اس کے ساتھ سیا سیات میں وہ یہ بھی چاہتے تھے کہ حکمرانی اقتدار نہ تو کسی شاہی خاندان کی ملک ہے اور نہ چند زمیندارگھرانوں کا اجارہ بن کر رہ جائے۔ ملک عام باشندوں کا ہے ۔حکومت کا سارا کاروبار انہی کے دیئے ہوئے ٹیکسوں سے چلتا ہے۔لہذا انہی کی رائے سےحکومتیں بننی اور ٹوٹنی اور بدلنی چاہئیں اور انہی کی آواز کوقانوں سازی اور نظم و نسق میں فیصلہ کن اثر حاصل ہونا چاہئے ۔یہی نظریات ان جدید جمہوریتوں کی بنیاد بنےجو اٹھارویں صدی کے آخر سے دنیا میں قائم ہونا شروع ہوئیں۔

معاشیات میں جن اصولوں پر انھوں نے زور دیا وہ یہ تھا کہ اگر فطری قوانیں معیشت کو خارجی مداخلت اور خلل اندازی کے بغیر خود کام کرنے دیا جائے تو افراد کی انفرادی کوششوں سے آپ ہی آپ اجتماعی فلاح کی بڑی سے بڑی خدمت انجام پاتی جائے گی۔پیدوار زیادہ سے زیادہ ہو گی اور اس کی تقسیم بھی بہتر سے بہتر طریقہ پرہو تی رہے گی۔بشرطیکہ لوگوں کو سعی و عمل کی آزادی حاصل رہے اور حکومت اس فطری عمل میں مصنوعی طور پر مداخلت نہ کرے ۔بے قید معیشت کا یہی اصول جدید نظام سرمایہ داری کا بنیادی فارمولا قرار پایا۔

اس میں شک نہیں کہ نشاۃ جدیدہ کے دور کی وسیع المشربی کی طرح یہ صنعتی انقلاب کے دور کی وسیع المشربی بھی اپنے اندر صداقت کے کچھ عناصر رکھتی تھی اور یہی عناصر آخر کار اس کی فتح یابی کے موجب ہوئے لیکن یہاں پھر مغربی ذہن کی وہی دوبنیادی کمزوریاں اس صداقت کے ساتھ لگی ہوئی تھیں جن کو پاپائی وجاگیرداری کے دور سے ہم برابر کار فر ما دیکھتے چلے آ رہے ہیں یعنی خود غرضی اور انتہا پسندی۔

خود غرضی کا کرشمہ یہ تھا کہ ان میں سے اکثر کے مطالبہ حق و انصاف میں کو ئی خلوص نہ تھا۔جو صحیح اصول وہ پیش کرتے تھے ان کا اصل محرک حق پسندی نہ تھی بلکہ صرف یہ بات تھی کہ وہ ان کی اغراض کے لئے مفید تھے اور اس کا ثبو ت یہ تھا کہ وہ جن حقوق کا خود اپنے لئے مطالبہ کرتے تھے وہی حقوق اپنے مزدوروں اور نادار عوام کو دینے کے لئے تیار نہ تھے ۔رہی انتہا پسندی،تو وہ ان کے مخلص اہل علم اور اہل قلم حضرات کی بات بات میں نمایاں تھی۔چند صداقتوں کو انھوں نے لیا اور انھیں ان کی حد سے بہت زیادہ بڑھا دیا۔چند دوسری صداقتوں کو انھوں نے نظر انداز کردیا ۔اور زندگی میں جو مقام ان کے لئے تھااس میں بھی اپنی منظور نظر صداقتوں کو لا بٹھا یا حالانکہ ہر صداقت اپنی حد سے نکل جانے کے بعد جھوٹ بن جاتی ہے اور الٹے نتائج دکھانے لگتی ہے ۔ یہ افراط و تفریط اس نظام حیا ت کے سارے ہی گوشوں میں پائی جاتی ہے جو "بے قیدی"،"انفرادیت"،اور"جمہوریت"کے ان نظریات کے زیر اثر مرتب ہوا۔لیکن اس وقت ہمارا موضوع چونکہ خاص طور پر صرف معیشت کا گو شہ ہے ،اس لئے ہم دوسرے گوشوں کو چھوڑتے ہوئے صر ف اسی گوشےکا جائزہ لے کے دکھائیں گے کہ فطری قومی معیشت کے ساتھ خود غرضی اور انتہا پسندی کی آمیزش سےکس قسم کا غیر متوازن نظام معاشی ان لوگوں نے بنایا اور اس سے کیا نتائج برآمد ہوئے ۔

\_\_\_\_\_\_\_\_\_\_\_\_\_\_

# جدید نظام سرمایہ داری

جیسا کہ ہم ابھی اشارہ کر چکے ہیں،بے قید معیشت کے "وسیع المشرب"نظریہ پر جس معاشی نظام کی عمارت اٹھی اس کا نام اصطلاح میں "جدید نظام سرمایہ داری (modern capitalism) ہے "

## بے قید معیشت کے اصول

اس نظا م کے بنیادی اصول حسب ذیل ہیں:-

1-شخصی ملکیت کا حق۔صر ف انہی اشیا کا حق نہیں جنھیں آدمی خود استعمال کرتا ہے ،مثلا کپڑے، برتن، فر نیچر،مکان،سواری،مویشی وغیرہ۔ بلکہ ان اشیا کی ملکیت کا حق بھی جن سے آدمی مختلف قسم کی اشیاء ضرورت پیدا کرتا ہے تاکہ انھیں دوسروں کے ہا تھ فروخت کرے، مثلا مشین ،آلات،زمین،خام مواد وغیرہ۔پہلی قسم کی چیزوں پر تو بلا نزاع ہر نظام میں انفرادی حقوق ملکیت تسلیم کئے جاتے ہیں لیکن بحث دوسری قسم کی اشیا یعنی ذرائع پیدوار کے معاملے میں اٹھ کھڑی ہوئی ہے کہ آیا ان پر بھی انفرادی ملکیت کا حق جائز ہے کہ نہیں۔نظام سرمایہ داری کی اولین امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اس حق کو تسلیم کرتا ہے کہ نہیں،بلکہ درحقیت یہی حق اس نظام کا سنگ بنیاد ہے ۔

2۔آزادی سعی کا حق

یعنی افراد کا یہ حق کہ دہ فردا فردا ، یا چھوٹے بڑے گروہو ں کی شکل میں مل کر اپنے ذرائع کو جس میدان عمل میں چاہیں استعمال کریں۔ اس کو شش کے نتیجہ میں جو فوائد حاصل ہو ں ،یا جو نقصانات پہنچیں،دونوں انہی کے لئے ہیں ۔نقصان کا خطرہ بھی وہ خود برداشت کریں گے ، اور ان کے فائدے پر بھی کرئی پابندی عائد نہیں کی جاسکتی۔ان کو پو ری آزادی ہے کہ اپنی پیداوار اور اشیا کی تیاری کو جس قدر چاہیں بڑھائیں یا گھٹائیں ،اپنے مال کی جو قیمت چاہیں رکھیں ،جتنے آدمیوں سے چا ہیں ،اجرت پر یا تنخواہ پر کام لیں ،اپنے کا روبا ر کے سلسلے میں جو شرائط اور جو ذمہ داریاں چاہیں قبول کریں اور جو ضابطے چاہیں بنائیں۔بائع اور مشتری،اجیر اور مستاجر ،مالک اور نوکر کے درمیان کا روبار کی حد تک سارے معا ملات آزادانہ طے ہونے چاہئیں،اور جن شرائط پر بھی ان کی باہمی قرار داد ہوجائے اسے نافذ ہونا چاہئے ۔

## 3-ذاتی نفع کا محرک عمل ہونا۔

نظام سرمایہ داری اشیاء ضرورت کی پیدوار ترقی کے لئے جس چیز پر انحصار کرتا ہے وہ فائدے کی طمع اور نفع کی امید ہے جو ہر انسان کے اندر فطرۃموجو د ہے اور اس کو سعی و عمل پر ابھارتی ہے ۔نظام سر مایہ داری کے حامی کہتے ہیں کہ انسانی ز ندگی میں اس سے بہتربلکہ اس کے سواکوئی دوسر امحرک عمل فراہم نہیں کیا جا سکتا۔آپ نفع کے امکانات جس قدر کم کر دیں گے اسی قدر آدمی کی جددجہد اور محنت کم ہو جائے گی نفع کے امکانات کھلے رکھیے اور ہر شخص کو موقع دیجیے کہ اپنی محنت و قابلیت سے جتنا کما سکتا ہے کمائے ۔ہر شخص خود زیادہ سے زیا دہ اور بہتر سے بہتر کام

کرنے کی کو شش کرنے لگے گا ۔اس طرح آپ سے آپ پیداوار بڑھے گی، اس کا معیار بھی بلند سے بلند ہوتا چلا جائے گا،تمام ممکن ذرائع و وسائل استعمال ہوتے چلے جائيں گے ،اشیا ء ضرورت کی بہم رسانی کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہو تا جائے گااور ذاتی نفع کا لالچ افراد سے اجتماعی مفاد کی وہ خدمت خود ہی لے لے گا جو کسی دوسری طرح ان سے نہیں لی جاسکتی۔

## 4 - مقابلہ اور مسابقت۔

نظام سرما یہ داری کے وکلا کہتے ہیں کہ یہی وہ چیز ہے جو بے قید معیشت میں افراد کی خود غرضی کو بے جا حد تک بڑھنے سے روکتی ہے اور ان کے درمیان اعتدال و توازن قائم کرتی رہتی ہے ۔ یہ انتظام فطرت نے خود ہی کر دیا ہے ۔کھلے بازار میں جب ایک ہی جنس کے بہت سے تیار کرنے والے ،بہت سےسوداگر اور بہت سے خریدار ہوتے ہیں تو مقابلے میں آ کر کسر و انکسار سے خود ہی قیمتوں کا ایک مناسب معیار قائم ہوجاتا ہے اور نقع اندوزی نہ مستقل طور پر حد سے بڑھنے پاتی ہے نہ حد سےگھٹ سکتی ہے ۔اتفاقی اتار چڑھاؤ کی بات دوسری ہے ،علی ہذا القیاس کام کرنے والے اور کام لینے والے بھی اپنی اپنی جگہ مقابلے کی بدولت خود ہی اجرتوں اور تنخواہوں کے متوازن معیار قائم کرتے رہتے ہیں بشرطیکہ مقابلہ کھلا اور آزاد نہ ہو ،کسی قسم کی اجارہ داریوں سے اس کر تنگ نہ کر دیا جائے ۔

## 5-اجیر اور مستاجر کے حقوق کا فرق۔

نظام سر ما یہ داری میں ہر کا روباری ادارے کے کا رکن دو فریقوں پر منقسم ہو تے ہیں۔ایک مالک ،جو اپنی ذمہ داری پر کسی تجارت یا صنعت کو شروع کرتے ہیں اور چلاتے ہیں اور آخر تک اس کے نفع و نقصان کے ذمہ دار رہتے ہیں۔دوسرے مزدور یا ملازم جن کو نفع و نقصان سے کچھ سروکار نہیں ہو تا،وہ بس اپنا وقت اور اپنی محنت وقابلیت اس کاروبار میں صرف کرتے ہیں اور اس کی ایک طے شدہ اجرت لے لیتے ہیں۔بسا اوقات کا روبار میں مسلسل گھاٹا آتا رہتا ہے مگر اجیر اپنی اجرت لے جاتا ہے ۔بسا اوقات کا روبار بالکل بیٹھ جاتا ہے جس میں مالک تو بالکل بربا د ہو جاتا ہے مگر اجیر کے لئے صر ف اتنا فرق پڑتا ہے کہ آج اس دکان یا کا رخانے میں کام کر ر ہا تھا تو کل دوسری جگہ جا کھڑا ہو ا۔نظام سرمایہ داری کے حامی کہتے ہیں کہ معا ملہ کی یہ نوعیت آپ ہی یہ بات کر دیتی ہے کہ از روئے انصاف کا روبار کا منا فع اس کا حصہ ہے ۔ جس کے حصے میں کا روبار کا نقصان آتا ہے اور جو کاروبار کا خطر ہ مول لیتا ہے ۔رہا اجیر تو وہ اپنی مناسب اجرت لینے کا حق دار ہے جو معروف طریقہ پراس کے کام کی نوعیت اور مقدار کے لحاظ سے مارکیٹ کی شرح کے مطابق طے ہو جائے ۔اس اجرت کو نہ تو اس دلیل کی بنا پر بڑھنا چاہئے کہ کا روبار میں منافع ہو رہا ہے اور نہ اس دلیل پر گھٹنا چاہئے کہ کا روبار میں گھاٹا آ رہا ہے ۔اجیر کا کام اس کو طے شدہ اجرت کا بہر حال مستحق بناتا ہے اور بس طے شدہ اجرت ہی کا مستحق بناتا ہے ۔ ان اجرتو ں میں کمی بیشی اگر ہو گئ تو اس فطر ی قانون کے تحت ہو تی رہے گی جس کے تحت دو سر ی تمام اشیا کی قیمتیں گھٹتی اور بڑ ھتی رہتی ہیں۔کام لینے والے کم اور کام کے خواہش مند زیادہ ہو ں گے تو اجرتیں آپ ہی آپ کم ہو ں گی۔کام کرنے والے کم اور کام لینے و الے زیادہ ہو ں گے تو اجرتیں خود بڑ ھ جائیں گی۔ اچھے اور ہو شیار کارکن کا کام آپ زیادہ اجرت لائے گااور کا روبار کا مالک خود اپنے فائدہ کی خاطر اس کو انعام اور ترقی دے دے کر خو ش کرتا رہے گا۔خود کا رکن بھی جیسی کچھ اجرت پائے گا ویسی ہی رہ کا روبار کی تر قی و بہتری میں جان لڑائے گا۔مالکو ں کی خواہش فطرۃ یہ ہو گی کہ لاگت کم سے کم اور منا فع زیادہ سے زیا دہ ہو۔اس لیے وہ اجرتیں کم رکھنے پر مائل ہو ں گے ۔کارکن فطرۃ یہ چا ہیں گے کہ ان کی ضروریات زیادہ سے زیا دہ فراغت کے ساتھ پو ری ہو ں اور ان کا معیار زندگی بھی کچھ نہ کچھ بلند ہو تا رہے ، اس لئے وہ ہمیشہ اجرتیں بڑھوانے کے خواہش مند رہے گے۔اس تضادسے ایک گو نہ کشمکش پیدا ہو نی ایک قدرتی بات ہے لیکن جس طرح دنیا کے ہر معاملے میں ہوا کرتا ہے ،اس معاملے میں بھی فطری طور پر کسر وانکسار سےا یسی اجرتیں طے ہو تی رہیں گی جو فریقین کے لئے قابل قبول ہو ں۔

## 6 ۔ارتقا کے فطری اسباب پر اعتماد۔

نظام سرمایہ داری کے وکیل کہتے ہیں کہ جب کاروبار میں منافع کا سارا انحصار ہی اس پر ہے کہ لاگت کم اورپیدوار زیادہ ہو ،تو کا روباری آدمی کو اس کا اپنا ہی مفاداس با ت پر مجبو ر کرتا رہتاہے کہ پیدوار بڑھانے کے لئے زیادہ زیادہ بہتر سائٹفک طریقے اختیار کرے ،اپنی مشینوں اور آلات کو زیادہ سےزیادہ اچھی حالت میں رکھے،خام مواد بڑی مقدار میں کم قیمت پر حاصل کر ے۔اور اپنے کاروبار کے طریقوں کو اور اپنی تنظیمات کو ترقی دینے میں ہر وقت دماغ لڑاتا رہے۔یہ سب کچھ کسی بیرونی مداخلت اور مصنوعی تد بیر کے بغیر،بے قید معیشت کی اندورنی منطق خود ہی کراتی چلی جاتی ہے ۔فطرت کے قوانین کثیر التعداد منتشر افراداور گروہو ں کی انفرادی سعی و عمل سے اجتماعی ترقی اور خوشحالی کا وہ کام آپ ہی آپ لیتے رہتے ہیں جو کسی اجتماعی منصوبہ بندی سے اتنی خوبی کے ساتھ نہیں ہو سکتا۔یہ فطر ت کی منصوبہ بندی ہےجو غیر محسوس طور پر عمل میں آتی ہے۔

## 7-ریاست کی عدم مداخلت ۔

اس نظام کے حامیوں کا کہنا ہے کہ مذکورہ با لا اصولوں پر سوسا ئٹی کی فلاح و بہبود کا بہترین کام اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب کہ افرادکو بلا کسی قید و بندکے آزادانہ کا م کرنے کا موقع حا صل ہو ۔فطرت نے معاشی قوانیں میں ایک ایسی ہم آہنگی رکھ دی ہے کہ جب وہ سب مل جل کر کام کر تے ہیں تو نتیجہ میں سب کی بھلائی حاصل ہوتی ہے حالانکہ ایک فرداپنے ہی ذاتی نفع کے لئے سعی کر رہا ہےجیسا کہ اوپر دکھا یا جا چکا ہے،جب افراد کو اپنی سعی کا صلہ غیر محدود منافع کی شکل میں ملتا نظر آتا ہے تو وہ زیا دہ سے زیادہ دولت پیدا کرنے کے لئے اپنی ساری قوت و قا بلیت صرف کر دیتا ہے ۔اس سے لا محا لہ سب لوگوں کے لئے اچھے سے اچھا مال وافر سے وافر مقدار میں تیار ہو تا ہے کھلے با زار میں جب تاجروں اور صناعوں اور خام مقدار بہم پہنچانے والوں کا مقابلہ ہو تا ہے تو قیمتوں کا اعتدال آپ سے آپ قائم ہوتا ہے،اشیا کا معیار آپ سے آپ بلند ہوتا جاتا ہے اور خود ہی معلوم ہوتا رہتا ہے کہ سو سائٹی کو کن چیزوں کی کتنی ضرورت ہے ۔اس سارے کا روبار میں ریاست کا کام یہ نہیں کہ پیدائش دولت کے فطری عمل میں خواہ مخواہ مداخلت کرے اس کا توازن بگاڑے ،بلکہ اس کا کام صرف یہ ہے کہ ایسے حالات پیدا کرے جن میں انفرادی آزادی عمل زیادہ سے زیادہ محفوظ ہو سکے ۔اسے امن اور نظم قائم کرنا چاہئے ،حقوق ملکیت کی حفاظت کرنی چاہئے ،معا ہدوں کوقانون کے زور سے پورا کر ا نا چاہئے اور بیرونی حملوں اور مزاحمتوں اور خطروں سے ملک کو اور ملک کے کاروبار کو بچانا چاہئے ۔ریا ست کا منصب یہ ہے کہ منصب اور نگران اور محافظ کی خدمت انجام دے نہ یہ کہ خود تا جر اور صناع اور زمیندار بن بیھٹے، یا تا جروں اور صناعوں اور زمینداروں کو اپنی بار بار کی خلل اندازی سے کام نہ کرنے دے۔

## خرابی کے اسباب

یہ تھے وہ اصول جن کو پو رے زور شور کی ساتھ جدید سرمایہ داری کی پیدائش کے زمانے میں پیش کیا گیا ،اور چونکہ ان کے اندر کسی حد تک مبا لغہ کے باوجو د صداقت پائی جاتی تھی،اس لئے ان کو بالعموم دنیا بھر سے تسلیم کرالیا گیا۔درحقیقت ان میں نئی بات کوئی بھی نہ تھی۔ساری با تیں وہی تھیں جن پر غیر معلوم زمانے سے انسانی معیشت کا کاروبار انجام پا تا چلا آ رہا تھا۔جدت اگر تھی تو اس مبالغہ آمیز شد ت میں تھی جو بعض اصولو ں کو صنعتی انقلاب کے دورکی معیشت پر چسپاں کر نے میں بو رژوا حضرات نےاختیار کی۔مزید برآں انھو ں نے اپنا سا را نظام صر ف ان فطری اصولو ں ہی پر نہیں اٹھایا جن کا اوپر ذکر ہوا ہے بلکہ ان کے ساتھ کچھ غلط اصولو ں کی آمیزش بھی کر دی۔پھر انھوں نے بعض دوسرے ایسے اصولوں کو نظر انداز بھی کردیاجو ایک فطر ی نظام معیشت کے لئے اتنے ہی اہم ہیں جتنے آزاد معیشت کے مذکو رہ بالا اصول۔اس کے ساتھ انھوں نے اپنی خو د غرضیو ں سے خود اپنے ہی پیش کر دہ بعض اصولو ں کی نفی بھی کر دی۔یہی چاروں چیزیں مل جل کر ان خرابیوں کا مو جب ہو تیں جو بالآخر جدید سر ما یہ داری میں پیدا ہوتی چلی گئیں اور اس حد تک بڑھیں کہ دنیا میں اس کے خلاف ایک شورش برپا ہو گئی۔مختصرا ہمیں ان اسباب خرابی کا بھی جا ئزہ لے لینا چاہئے ۔

1-بے قید معیشت کی حمایت میں جن "فطری قوانین"کایہ لوگ باربار حوالہ دیتے رہے ہیں وہ اس مبا لغہ کی حد تک صحیح نہیں ہیں جو ان لو گوں نے نہ صرف اپنے بیان میں،بلکہ اپنے عمل میں برتنا چاہا ۔لارڈ کنیز نے با نکل ٹھیک کہا ہے کہ " دنیا پر اخلاقی و فطری قوانین کی ایسی مضبوط حکومت قائم نہیں ہے جس کے زور سےافراد کے ذاتی مفاد اور سوسائٹی کے اجتماعی مفاد میں ضرور آپ ہی آپ موافقت ہو تی رہے ۔معاشیات کے اصولوں سے یہ استنباط کو ئی صحیح استنباط نہیں ہے کہ روشن خیال خود غرضی ہمیشہ اجتماعی فلاح و بہبود کے لئے کو شش کیا کرتی ہے ۔اور یہ کہنا بھی درست نہیں کہ خو د غرضی ہمیشہ روشن خیال ہی ہو ا کرتی ہے ۔اکثر تو یہ د یکھا جاتا ہے کہ جو لو گ انفرادی طور پر اپنے اغراض کے لئے جدوجہد کرتے ہیں وہ اس قدر نادان یا کمزور ہو تے ہیں کہ وہ اپنی اغراض کو بھی پو را نہیں کر سکتے کجا کہ ان کے ہاتھوں اجتماعی مفاد کی خدمت ضرور اور ہمیشہ انجام پاتی رہے ۔"

صر ف یہی نہیں کہ یہ مبالغہ آمیز باتیں عقلا صحیح نہ تھیں،بلکہ تجربہ سے خود بوروژا سرمایہ داروں کے اپنے عمل نے ثابت کر دیا کہ ان کی خود غرضی روشن خیال نہیں تھی۔انھوں نے خریدار پبلک،اجرت پیشہ کارکن اور پر امن حالا ت پیدا کر نے والی حکو مت،تینو ں کے مفاد کے خلاف جھتہ بندی کی اور با ہم یہ سازش کر لی کہ صنعتی انقلاب کے سارے فوائد خود لو ٹ لیں گے ۔ان کے اس با ہمی ساز باز نے ان کی اس سے بڑ ی دلیل کو خود ہی تو ڑ دیا جو و ہ آزاد معیشت کے حق میں پیش کر تے تھے ،یعنی یہ کہ فطرۃ کسر و انکسار سے خود ہی سب لوگوں کے درمیان منفعت کا تو ازن قائم ہو جاتا ہے ۔یہی وجہ ہے کہ آخر کار آدم سمتھ جیسے شخص کو بھی، جو آزاد معیشت کا سب سے بڑا وکیل تھا یہ کہنا پڑا:

کم ہی ایسا ہو تا ہے کہ جب کاروباری لوگ کہیں باہم جمع ہو ں اور ان کی صحبت پبلک کے خلاف کسی سازش پر اور قیمتیں چڑ ھانے کےلئےکسی قرارداد پر ختم نہ ہو۔حد یہ ہے کہ تقریبات تک میں مل بیٹھنے کا جو موقع مل جاتا ہے ا س کو بھی یہ حضرات اس جرم سے خالی نہیں جانے دیتے ۔

اسی طر ح شخصی ملکیت اور آزاد سعی کے بارے میں ان کے یہ دعو ے بھی با لکل مبالغہ آمیز تھےکہ ان عنوانات کے تحت افراد کو کچھ ایسے حقوق حاصل ہیں جن پر کوئی حد عائد نہ ہو نی چاہیے ۔ ایک شخص اپنی ملکیت میں اگر ایسے طر یقہ سے تصرف کرتا ہے جس سے ہزار ہا آدمیو ں کی معیشت متاثر ہو جاتی ہے ،یا ایک آدمی اپنےذاتی نفع کے لئے سعی و عمل کی کو ئی ایسی راہ نکالتا ہے جس سے پو ری سوسائٹی کی صحت،یا اخلاق ،یا عافیت پر برا اثر پڑتا ہے ،تو آخر کیا وجہ ہے کہ اسکو ان کاموں کے لئے کھلی چھٹی دے دی جائے اور قانون ایسے حدود عائد نہ کرے جن سے اس کے انفرادی حقوق کا استعمال اجتماعی مفاد کے لئے مضر نہ ہو نے پائے ؟

حکومت کی عدم مداخلت کے مضمو ن کو ان لو گو ں نے اس کی جائز حد سے اتنا زیادہ بڑ ھا دیا کہ وہ برے نتائج پیدا کیے بغیر نہ رہ سکتا تھا۔جب طاقت ور افر اد جتھہ بندی کر کے کثیر ا لتعداد لو گو ں سے نا جائز ےفائدے اٹھانے لگیں اور حکومت یا تو تماشا دیکھتی رہے یا خود ان طاقت ور افراد ہی کے مفاد کی حفاظت کرنے لگے، تو اس کا لازمی نتیجہ شووش ہے ، اورشو رش جب برپا ہو جاتی ہے تو ہمیشہ اپنے ظہور کے لئے معقول راستوں ہی کی پابندی نہیں کیا کرتی۔

2 –خصوصیت کے سا تھ صنعتی انقلاب کے دور میں بے قید معیشت کے اصولو ں کا اتنا سخت مبالغہ اور بھی زیادہ غلط تھا۔صنعتی انقلاب کی وجہ سے طریق پیدوار میں جو بنیادی تغیر واقع ہو گیا تھا وہ یہ تھا کہ پہلے جو کام انسانی اور حیوانی طاقت سے کیے جاتے تھے اب ان کے لئے مشین کی طاقت استعمال کی جانے لگی ۔ایک مشین لگا نے کے معنی یہ ہو گئے کہ دس آدمی وہ کام کر نے لگیں جو پہلے ہزار آدمی کر تے تھے ۔اس طریق کی عین فطرت میں یہ چیز شامل ہے کہ وہ چند انسانوں کو کام پر لگا کر ہزاروں انسانوں کو بے کار کر دیتا ہے ۔ایسے ایک طریقے کے متعلق ملکیت اور آزادی سعی کے مطلق حقوق کا دعو ی اور حکو مت کی عدم مداخلت کا مطالبہ اصولا با لکل بے جا تھا۔آخر یہ کس طرح جائز ہو سکتا تھا کہ ایک شخص یا گروہ محض اس وجہ سے کہ وہ ایسا کرنے کے ذرائع رکھتا ہے ،ایک خاص قسم کا مال تیار کرنے کے لئے اچانک ایک بڑا کارخانہ قائم کر دے اور اس کی کچھ پروا نہ کرے کہ اس کی اس حرکت سے پو رے علاقے کے ان ہزار ہا آدمیوں پر کیا اثر پڑتا ہے جو پہلے اپنے گھروں یا دوکانوں میں یا دستی کا ریگری کی چھوٹی چھوٹی فیکٹریوں میں بیٹھے وہی مال تیار کر رہے تھے ؟ اس کا یہ مطلب نہیں کہ مشین کی طاقت کو صنعت میں استعمال نہ ہو نا چاہیے تھا مطلب یہ ہے کہ اس طاقت کے استعمال کی اندھا دھندا جا زت نہ ہو نی چاہیے تھی اور حکومت کو اول روز سے ہی یہ فکر کرنی چاہیے تھی کہ ساتھ ساتھ ان لوگوں کے روزگار کا بندوبست بھی ہو تا جائے جن کو یہ نئی صنعتی طاقت بے کار کر رہی تھی

چونکہ ایسا نہیں ہو ا،اسی وجہ سے مشینی طریق پیدوار کے وجود میں آتے ہی انسانی سوسائٹی میں بے روزگاری کا ایک مستقل مسئلہ اتنے بڑ ے پیمانہ پر پیدا ہو گیا جس سے تاریخ پہلے آشنا نہ ہو ئی تھی۔اور یہ بات ظاہر ہے کہ بے روزگاری کسی ایک مسئلے کا نام نہیں ہے بلکہ وہ انسان کی مادی،روحانی،اخلاقی اور تمدنی زندگی کے بے شمار پیچیدہ مسائل کامورث اعلی ہے ۔سو ال یہ ہے ایک فرد یا چند افراد کا کیا حق ہے کہ اپنی ملکیت میں ایسے طریقہ سے تصرف کر یں جس سے اجتماعی زندگی میں اتنی زبردست پیچیدگیاں پیدا ہو جائیں؟ اور اس طرح کے تصرف کے بارے میں کو ئی مرد عاقل یہ کیسے دعوی کر سکتا ہے کہ یہ افراد کی وہ روشن خیال خود غرضی ہے جو آپ سے آپ اجتماعی مفا د کی خدمت کرتی رہتی ہے ؟اور ایسے انفرادی تصرفات کے معاملے میں یہ خیال کر نا کتنی بڑی حماقت ہے کہ اس کا کھلا لا ئسنس دے کر قومی حکو مت کو خاموش بیٹھ جا نا چا ہیے اور ان اثرات کی طرف سے آنکھیں بند کر لینی چاہیں جو ایک قلیل التعداد گروہ کی کا رروا ئیو ں سے پو ری قوم پر پڑ رہے ہو ں ؟

3- پھر اس طریق پیداوار نے جب ہزار ہا بلکہ لکھو کھا آدمیوں کو بے روزگار کر دیا اور وہ مجبو ر ہو گئے کہ اپنے دیہات اور قصبات سے اور اپنے محلوں اور گلیوں سے نکل نکل کر ان بڑے کا ر خانہ داروں اور تاجروں کے پاس مزدوری یا نوکری تلاش کرتے ہو ئے آئیں، تو لا محالہ اس کا نتیجہ یہی ہو نا چاہیے تھا اور یہی ہو ا کہ یہ بھوکے مرتے ہو ئے طالبین روزگار ان کم سے کم اجرتو ں پر کام کرنے کے لئے مجبور ہو گئے جو سرما یہ داروں نے ان کے سامنے پیش کیں۔ کام ان سب کو نہ ملا ،بلکہ قا بل کار آد میو ں کا ایک حصہ مستقلا بے کار رہا۔پھر جنہیں کا م ملا وہ بھی اس پو زیشن میں نہ تھے کہ سرمایہ دار سے سود اچکا کر بہتر شرائط منوا سکتے کیو نکہ وہ تو خود طالب روزگار ہو کر آئے تھے ،سرمایہ دار کی پیش کردہ شرائط قبول نہ کرتے تو شام کی روٹی تک کا بندوبست ان کے پاس نہ تھا،اور اس پر بھی کچھ اکڑ دکھاتے تو دوسرے ہزاروں بھوکے جھپٹ کر انہی شرائط پر روزگار اچک لینے کے لئے تیار تھے ۔اس طرح بوروژا حضرات کا وہ سا را استدلال غلط ثا بت ہو گیاجو وہ اس اصول کے حق میں پیش کرتے تھے کہ کھلے مقابلے میں اجیر اور مستاجر کے درمیان کسر و انکسار سے مناسب اور منصفانہ اجرتیں آپ ہی آپ طے ہو تی رہتی ہیں۔اس لئے کہ یہاں حقیقت میں مقابلے کے ساتھ اس کے "کھلے ہونے" کی شر ط مفقود تھی۔یہاں یہ صورت تھی کہ ایک آدمی نے ہزاروں آدمیوں کا رزق چھین کر پہلے اپنے قابو میں کر لیا،اور جب وہ بھوک سے تڑپ کر اس کے پاس آئے تو وہ ان سب کو نہیں بلکہ ان کے صرف دسویں یا بیسویں حصہ کو کام دینے پر راضی ہو ا۔ایسے حالات میں ظاہر ہے کہ سودا چکانے کی سا ری طاقت اس ایک شخص کے پاس جمع ہو گئی اور ان ہزارو ں طالبین روزگار میں سے کو ئی بھی اپنی شرط منوانے کے قابل نہ رہا ۔ یہی وجہ ہے کہ اس صنعتی انقلاب کے دور میں جدید سرمایہ داری جیسی جیسی بڑھتی گئی، سو سا ئٹی میں بے روزگاری کے علاوہ افلاس اور خستہ حالی کی مصیبت بھی بڑھتی گئی ۔بڑے بڑے صنعتی و تجارتی مرکزوں میں جو لوگ محنت مزدوری اور نو کری کے لئے جمع ہو ئے انھیں بہت کم اجرتو ں پر بہت زیادہ وقت اور محنت کر نے پر راضی ہو نا پڑا۔وہ جا نوروں کی طرح کام کرنے لگے۔جانوروں سے بد تر حالت میں شہروں کے تنگ و تاریک مکا نا ت میں رہنے لگے ۔ان کی صحتیں برباد ہو نے لگیں۔ان کی ذہینتیں پست ہو نے لگیں۔ ان کے اخلاق بری طرح بگڑ نے شروع ہو گئے ۔نفسی نفسی کے عالم میں باپ بیٹے اور بھائی بھائی تک کے درمیان ہمدردی با قی نہ رہی۔والدین کے لئے اولاد اور شو ہروں کے لئے بیویاں تک وبال جا ن بن گئیں۔غرض زندگی کا کو ئی شعبہ ایسا نہ رہا جو اس غلط اور یک رخی قسم کی آزاد معیشت کے برے اثرات سےبچا نہ گیا ہو ۔

4 ۔ اس پر مزید لطف یہ ہے کہ وہی بورژوا حضرات جو وسیع المشربی اور جمہو ریت کے زبردست داعی تھے ، اور جنھوں نے لڑ بھٹر کر مالکان ز مین کے مقابلہ میں اپنا وڈ ٹ کا حق تسلیم کرایا تھا،اس بات کے لئے تیار نہ تھے کہ یہی ووٹ کا حق ان لا کھوں کروڑوں عوام کو بھی حاصل ہو جن کی روزی کے یہ ما لک بن گئے تھے ۔وہ اپنے لئے تو یہ حق سمجھتے تھے کہ ایک ایک پیشے کے مالکان کاروبار اپنی اپنی انجمنیں بنا ئیں اور با ہمی قرار داد سے اشیا کی قیمتیں ، نو کروں کی تنخواہيں اور مزدوروں کی اجرتیں تجو یز کریں۔ لیکن وہ نو کروں اور مزدوروں کا یہ حق ماننے کے لئے تیار نہ تھے کہ وہ بھی منظم ہو ں اور اجتماعی قوت سے اجر تو ں اور تنخواہو ں کے لئے سو د اچکائیں۔ حد یہ ہے کہ ان حضرات کو اپنے اس حق پر بھی اصرار تھاکہ وہ جب چاہیں کارخانہ بند کر کے ہزار ہا ملازموں اور مز دوروں کو بیک وقت بے کار کر دیں اور اس طرح ان کو بھوکا مار کر کم اجر تو ں پر راضی ہو نے کے لئے مجبو ر کر دیں۔ مگر وہ نو کروں اور مزدورں کا یہ حق تسلیم کرنے کے لئے بلکل تیار نہ تھے کہ وہ بھی ہڑتال کرکے اپنی اجرتیں بڑھوانے کی کو شش کریں۔ اس کے ساتھ یہ حضرات اس بات کو سراسر جائز سمجھتے تھے کہ جو شخص انہی کے کارخانے یا تجارتی ادارے میں کام کرتے کرتے بو ڑھا ،یا بیمار ، یا کسی طور پر ازکار رفتہ ہو گیا ہو اسے وہ رخصت کر دیں ،مگر وہ شخص جو رخصت کیا جا رہا ہو اس کی یہ گزارش ان کے نزدیک ناروا تھی کہ حضور ! صحت ،طاقت،جوانی سب کچھ تو آپ کے کاروبار کی ترقی میں کھپا بٹیھا، اب اس جان نا تو ان کو کہاں لے جا ؤں اور ہا تھ پاؤں کی قوت کھو دینے کے بعد جو پیٹ بچا رہ گیا ہے اسے کس طر ح بھروں ؟ یہا ں پہنچ کر بو رژوا حضرات اپنے اس استدلال کو بھی با لکل بھو ل گئے جو وہ ذاتی مفاد کو ایک ہی صحیح محرک عمل قرار دینے کے حق میں پیش کر تے تھے ۔ انھیں اپنے متعلق تو یہ یاد رہا کہ اگر ان کے لئے نفع کے امکانات غیر محدود ہو ں گے تو وہ خوب کام کر یں گے اور اس پر اجتماعی ترقی و خو شحالی کی خدمت آپ سے آپ انجام پائے گی۔ لیکن اپنے نو کروں اور مزدوروں کے معا ملہ میں وہ بھو ل گئے کہ جس کا نفع محدود ہی نہیں بلکہ تنگ بھی ہو اور جس کا حال خراب اور مستقبل تا ریک ہو وہ آخر کیوں دل لگا کر اور جان لڑا کر کام کرے اور کس بنا پر اپنے کام میں دلچسپی لے ؟

5-علاوہ بریں ان لو گوں نے کاروبار کے فطری اور معقول طریقوں سے ہٹ کر اپنے ذاتی مفاد کے لئے ایسے طریقے اختیار کرنے شروع کر دئیے جو صریحا اجتماعی مفاد کے خلاف ہیں اور جن سے مصنوعی طور پر قیمتیں چڑھتی ہیں اور جن سے دولت کی پیداوار رکتی اور ترقی کی رفتار سست ہو تی ہے۔ مثال کے طور پر :

یہ طریقہ کہ اپنے سرمائے کے زور سے اشیائے ضرورت کو خرید خرید کر ان کے کھتے بھرتے چلے جائیں یہاں تک کہ بازار میں ان کی رسد کم اور مانگ بڑ ھ جائے اور اس طرح قیمتیں مصنوعی طور پر گراں کی جا سکیں۔

اور یہ طریقہ کہ مال پیدا کرنے والے اور اصل استعمال کرنے والے درمیان سینکڑوں آدمی محض اپنے بنک کے روپے اور ٹیلیفون کے بل پر اس کو غائبانہ بیچتے اور خریدتے چلے جائیں اور اس طرح زبردستی ان کا منافع لگ لگ کر اس کی قیمت بڑھتی رہے بغیر اس کے کہ ان بیچ والو ں نے اس مال کے پیدا کرنے یا ڈھو نے یا اسے کا رآمد بنانے کی کو ئی خدمت انجام دی ہو جس کی بنا پر وہ منافع میں حصہ لینے کے جائز حقدار ہو ں ۔

اور یہ طریقہ کہ پیدا شدہ مال کو صرف اس اندیشے سے جلا دیا جائے یا سمندر میں پھینک دیا جائے کہ اتنی بڑ ی مقدار مال کے منڈی میں پہنچ جانے سے قیمتیں گر جائیں گی۔

اور یہ طریقہ کہ وافر سرمایہ کے بل پر ایک چیز از قسم سامان تعیش تیار کی جائے اور پھر اشتہار سے ،ترغیب سے ،مفت با نٹ با نٹ کر ، طرح طرح کی سخن سازیاں کر کے زبردستی اس کی مانگ پیدا کی جا ئے اور اسے ان غریب اور متو سط الحال لو گو ں کی ضروریات زندگی میں خواہ مخواہ ٹھونس دیا جائے جو بیچارے اپنے فرائض حیات بھی پو ری طرح بجا لا نے کے قابل نہیں ہیں ۔

اور یہ طریقہ کہ عامہ الناس کو حقیقتا جن چیزوں کی ضرورت اور شدید ضرورت ہے ان کی فراہمی پر تو سر مایہ اور محنت صرف نہ ہو اور ان کاموں پر وہ بے دریغ صر ف کیا جائے جو با لکل غیر ضروری ہیں،صرف اس لئے کہ پہلی قسم کے کاموں کی بہ نسبت یہ دوسرے کام زیادہ نفع آور ہیں۔

اور یہ طریقہ کہ شخص یا گروہ نہایت مضر صحت اور مخرب اخلاق اور مفسد تہذ یب و تمدن چیزوں کو اپنے سرمائے کے زور سے خوشنما اور دلفر یب بنا بنا کر لائے اور علانیہ پبلک کے سفلی جذبات کو اپیل اپیل کر کر کے انھیں اپنے اس کاروبار کی طرف کھینچے اور ان کو دیوانہ بنا بنا کر ان کی قلیل آمدنیو ں کا بھی ایک معتدبہ حصہ بٹو ر لے در آنحا لیکہ ان غریبو ں کی آمدنیاں ان کااور ان کے بال بچوں کا پیٹ بھرنے تک کے لئے کا فی نہ ہو ں۔

اور سب سے بڑھ کر خطر ناک اور تباہ کن یہ طریقہ کہ اپنے تجارتی اور مالی مفاد کے لیے کمزور قوموں کے حقوق پر ڈاکے ڈالے جائیں اور دنیا کو مختلف حلقہ ہائے اثر میں تقسیم کیا جائے ،اور ہر قوم کے بڑے بڑے سا ہو کار اور صناع اور تا جر اپنی اپنی قوموں کو اپنی حد سے بڑ ھی ہو ئی اغراض کا آلہ کار بنا کر ایک دوسرے کے خلاف ایسی دائمی کشمکش میں الجھا دیں جو نہ میدان جنگ میں سلجھنے پائے نہ ایوان صلح میں۔

کیا یہ سب واقع اس بات کا ثبو ت ہیں کہ اگر افراد کو اپنے ذاتی مفاد کے لئے بے روک ٹو ک کام کرنے دیا جائے تو ان کے ہا تھو ں اجتماعی مفاد کی خدمت خود بخود انجام پا تی رہتی ہے ؟ اس طرح تو دراصل انھوں نے اپنے عمل سے خود یہ ثابت کر دکھایا کہ بے قید خود غر ضی بہت ہی کم روشن خیال ہو تی ہے ۔ خصوصا جب کہ معاشی و سیا سی طاقت بھی اسی کے ہا تھ میں مرتکز ہو جائے اور قانون ساز بھی وہ خود ہی ہو ۔ایسے حالات میں تو اس کی بیشتر کو شش اجتماعی مفاد میں نہیں بلکہ جماعت کے مفاد کو اپنے ذاتی مفاد پر بھینٹ چڑھانے میں صرف ہو نے لگتی ہے ۔

6۔ان سب حرکات پر مزید غضب انھوں نے یہ کیا کہ افراد کے لئے اس بات کو با لکل جائز اور معقول اور برحق ٹھرایا کہ وہ سرمایہ کو جمع کر کے سود پر چلائیں۔سود ایک قابل نفرت برائی کی حیثیت سے تو دنیا کے اکثر معاشروں میں ہمیشہ سے موجود رہا ہے اور دنیا کے قوانین نے بھی بسا اوقات اس کو بکراہت گوارا کیا ہے ۔ لیکن قدیم جاہلیت عرب کے بعد یہ فخر صرف جدید جاہلیت غرب کے بو رژوا مفکرین کو حا صل ہو ا کہ انھوں نے اسے کاروبار کی ایک ہی معقول صورت اور پو رے نظام مالیات کی ایک ہی صحیح بنیاد بنا کر رکھ دیا اور ملکی قوانین کو اس طرز پر ڈھالا کہ وہ قرضدار کے بجائے سود خوار کے مفاد کی پشت پناہ بن گئے ، اس عظیم الشان غلطی پر اور اس کے نتائج پر تو ہم نے اپنی کتا ب "سود" میں مفصل بحث کی ہے ،مگر یہاں اس سلسلہ کلام میں مختصرا صرف اتنا اشارہ کافی ہے کہ سو د کو قرض و استقراض اور مالی لین دین کی بنیاد بنا دینے کا نتیجہ یہ ہو ا کہ بے روک ٹو ک صنعتی انقلاب کی وجہ سے طاقت دولت، رسوخ و اثر اور تمام فوائد و منافع کا جو بہاؤ پہلے ہی ایک رخ پر چل پڑا تھا وہ اس کاروائی کی وجہ سے اور زیادہ یک رخا ہو گیا اور اس کی بدولت اجتماعی زندگی کا عدم تو ازن اپنے انتہا کو پہنچ گیا۔اب سو سا ئٹی میں سب سے زیادہ خو ش قسمت وہ لو گ ہو گئے جو کسی نہ کسی ترکیب سے کچھ سرمایہ اکھٹا کر کے بیٹھ گئے ہو ں ۔دماغی قابلیت رکھنے والے ، محنت کرنے والے ،کا روباری اسکیمیں سو چنے اور ان کی تنظیم کرنے والے اپنی جان کھپا کر کاروبار کو ہر مرحلے پر چلانے والے اور اشیاء ضرورت کی تیاری و فراہمی کے سلسلے کی ساری خدمات انجام دینے والے ،غر ض سب کے سب اس ایک آدمی کے سامنے ہیچ ہو گئے جو کاروبار میں روپیہ قرض دےکر اطمینان سے گھر بیٹھا ہو ا ہو ۔ان سب کا نفع غیر معین اور غیر یقینی ہے اور اس کا نفع معین اور یقینی۔ان سب کے نقصان کا خطرہ بھی ہے مگر اس کے لئے خالص منافع کی گارنٹی۔ یہ سب کا روبار کے بھلے اور برے میں دلچسپی لینے پر مجبو ر ہیں،اور وہ ہر چیز سے بے پروا صرف اپنے سود سے غرض رکھتا ہے ۔کا روبار فروغ پاتا نظر آئے تو وہ بے تحا شا اس میں سرمایہ لگانا شروع کر دیتا ہے ۔یہاں تک کے نفع کے امکا نا ت ختم ہو نے لگتے ہیں۔کاروبار سرد پڑتا نظر آئے تو وہ مدد کے لئے ہاتھ نہیں بڑھاتا بلکہ پہلے کا لگا ہو ا سرمایہ بھی کھینچنے لگتا ہے یہاں تک کہ ساری دنیا پر سخت کسا وبازاری کا دورہ پڑ جا تا ہے ،ہر حال میں نقصان ،زحمت ،خطرے ،سب کچھ دوسروں کے لئے ہیں اور اگر اس کے لیے حد سے حد اگر کو ئی اتار چڑھاؤ ہے تو وہ صرف نفع کی کمی بیشی کا تا جر اور صناع اور زمیندار ہی نہیں،حکومتیں تک اس کی مزدور بنی ہو ئی ہیں۔اس کے دئیے ہو ئے روپے سے وہ سڑکیں،ریلیں ،نہریں اور دوسری چیزیں بناتی ہیں اور برسوں نہیں،صدیو ں ایک ایک شخص سے ٹیکس وصول کر کے اس کا سود اس کے گھر پہنچاتی رہتی ہیں۔حد یہ ہے کہ قوم کو اگر کو ئی لڑائی پیش آجاتی ہے تو جس کی جان جائے ،یا ہاتھ پاؤں کٹیں،یاجس کا گھر بر باد ہو ،یا جو اپنے باپ بیٹے یا شو ہر سےمحروم ہو ں ، ان سب کے بار سے تو قومی خزانہ بآسانی سبکدوش ہو جاتا ہے ،لیکن قوم ہی کے چند افراد نے لڑائی کے لیے سرمایہ قرض سے دیا ہو ان کا سو د سو سو اور دودو سو برس تک ادا کیا جاتا رہتا ہے اور اس سود کی ادائیگی میں ان لوگوں تک کو "چندہ" دینا پڑتا ہے جنھوں نے اسی جنگ میں جانیں قربان کی تھیں۔اسی طرح یہ سودی نظام مالیات سوسائٹی کی دولت پیدا کرنے والے اصل عاملین کے ساتھ ہر طرح ہو جہت میں ایک ہمہ گیر نا انصافی کر تا ہے ۔اس کی ساری اجتماعی معیشت کی با گیں چند خود غرض سرمایہ داروں کے ہا تھ میں دے دی ہیں جو نہ تو اجتماع کی فلاح و بہبو د سے کو ئی دلچپسی رکھتے ہیں ،نہ فی الواقع اجتماع کی کو ئی خدمت ہی انجام دیتے ہیں،مگر چو نکہ پو رے معاشی کاروبار کی جان ، یعنی سر مایہ ان کے قبضے میں ہے اور قانون نے ان کو اسےروک رکھنے اور سود پر چلانے کے اختیارات دے رکھے ہیں،اس لئے وہ صرف یہی نہیں کہ اجتماع کی مجموعی محنت سے پیدا ہو نے والی دولت کے شریک غالب بن گئے ہیں ،بلکہ ان کو یہ طاقت حاصل ہو گئی ہے کہ پو رے اجتماع کو اپنے مفاد کا خادم بنا لیں اور قوموں اور ملکوں کی قسمتو ں سے کھیلتے رہیں۔

7۔جدید سرمایہ داری کی ان بنیادوں پر جو نیا معاشرہ وجو د میں آیا وہ ہمدردی،تعاون ، رحم ، شفقت اور اس نوع کے تمام جذبات سے عاری اس کے بر عکس صفات سے لبریز تھا۔اس نظام میں غیر تو غیر، بھائی پر بھائی کا یہ حق نہ رہا کہ وہ اسے سہارا دے ۔ایک طرف ہر نئی مشین کی ایجاد سینکڑوں اور ہزاروں کو بہ یک وقت بیکار کیے دے رہی تھی،اور دوسری طرف حکومت ،سوسائٹی،کارخانہ دار یا ساہو کار ، کسی کی بھی یہ ذمہ داری نہ تھی کہ جو لو گ بے روزگار ہو جائیں،یا کام کرنے کے قابل نہ ہو ں ،یا ناکارہ ہو جائیں،ان کی بسر اوقات کا کو ئی بندوبست کرے ۔یہی نہیں بلکہ اس نئے نظام نے ایسے حالات پیدا کر دئے اور ایسے اخلاقیات بھی عام لوگو ں کے اندر ابھار دئیے کہ کسی گرے ہو ئے یا گرتے ہو ئے انسان کو سنبھا لنا کسی کافرض نہ رہا۔ حوادث ، بیماری ،موت اور تمام دوسرے نا موافق حالات کے لیے اس نظام نے جتنے بھی علاج تجویز کیے ،ان لو گوں کے لیے جو فی الوقت کما رہے ہو ں اور اپنی موجو دہ ضروریات سے اتنا زیادہ کما رہے ہو ں کہ کچھ پس انداز کر سکیں۔لیکن جو کما ہی نہ رہا ہو ،یا بس بہ قدرسدرمق کما رہا ہو ، وہ اپنے برے وقت پر کہاں سے مدد پائے ؟ اس کا کو ئی جواب جدید سرمایہ دار ی کے پا س اس کے سوا نہیں ہے کہ ایسا شخص مہاجن کے پاس جائے اور اپنے پہنے کے کپڑے یا گھر کا برتن،یا جو رو کا زیور رہن رکھ کر تین تین سو فی صدسالانہ سود پر قرض لے،اور جب یہ قرض مع سود ادا نہ ہو سکے تو پھر اسی مہاجن سے اسی کا قرض و سو د ادا کرنے کے لیے مز ید سودی قرض لے لے ۔

8-ظاہر ہے کہ جب سوسائٹی میں لاکھو ں آدمی بے روزگار ہو ں،اور کروڑوں اس قدر قلیل المعاش ہو ں کہ سخت حاجت مند ہو نے کے باوجو د وہ مال نہ خرید سکیں جو دوکانوں میں بھر ا پڑا ہو ، تو صنعت اور تجارت کو پورا پو را ممکن فروغ کس طرح ہو سکتا ہے ۔اسی وجہ سےہم یہ عجیب و غریب صورت حال دیکھ رہے ہیں کہ اگر چہ ابھی دنیا میں بے حد و حساب قابل استعمال ذرائع موجو د ہیں،اور کڑوروں آدمی کام کرنے کے قابل بھی موجو د ہیں،اور وہ انسان بھی کروڑہا کروڑ کی تعداد میں ومو جو د ہیں جو اشیاء ضرورت کے محتاج اور اشیاء عیش ورفاہیت خریدنے کے خواہشمند ہیں،مگر یہ سب کچھ ہو تے ہو ئے بھی دنیا کے کارخانے اپنی استعداد کار سے گھٹ کر جو مال تیار کرتے ہیں وہ بھی منڈیو ں میں اس لیے پڑا رہ جاتا ہے کہ لوگوں کے پاس خریدنے کا روپیہ موجود نہیں،اور لاکھوں بے روزگار آدمیوں کو کام پر اس لیے نہیں لگایا جا سکتا کہ جو تھوڑا مال بنتا ہے وہی بازار میں نہیں نکلتا، اور سرمایہ اور قدرتی ذرائع بھی پو ری طرح زیر استعمال اس لیے نہیں آنے پاتے کہ جس قلیل پیمانے پر وہ استعمال میں آ رہے ہیں اسی کا بار آور ہو نا مشکل ہو رہا ہے کجا کہ مزید ذرائع کی ترقی پر مزید سرمایہ لگانے کی کوئی ہمت کر سکے ۔یہ صورت حال بو رژوا مفکرین کے اس استدال کی جڑ کا ٹ دیتی ہے جو وہ اپنے دعو ے کے ثبو ت میں پیش کرتے تھے کہ بے قید معیشت میں اپنے انفرادی نفع کے لیے افراد کی تگ دوو خود بخودذرائع و وسا ئل کی ترقی اور پیداوار کی افزائش کا سامان کرتی رہتی ہے ۔ ترقی اور افزائش تو درکنار،یہاں تو تجربہ سے یہ ثابت ہو ا کہ انھوں نے اپنی نادانی سے خود اپنے منافع کے راستے میں بھی رکا وٹیں پیدا کر لیں۔

\_\_\_\_\_\_\_\_

# سو شلزم اور کمیونزم

یہ تھے وہ اصل اسباب جن کی وجہ سے صنعتی انقلاب کے پیدا کیے ہو ئے نظام تمدن و معیشت میں خرابیاں رونما ہو ئيں ۔پچھلے صفحات میں ہم نے ان پر جو تجزیہ کیا ہے اس پر غو ر کرنے سے یہ بات با لکل عیاں ہو جاتی ہے کہ درحقیقت ان خرابیو ں کے موجب وہ فطری اصول نہیں تھے جن کو بو رژوا حضرات بے قید معیشت کی تا ئید میں پیش کرتے تھے ،بلکہ ان کی اصل مو جب وہ غلطیاں تھیں جو ان صحیح اصولوں کے ساتھ انھوں نے ملا دی تھیں۔

اگر بر وقت ان غلطیو ں کو سمجھ لیا جا تا اور اہل مغرب کو وہ حکیمانہ رہنمائی مل جاتی جس سے وہ اس نئے انقلابی دور میں ایک متوازن اور متعدل معیشت کی تعمیر کر لیتے تو ان کے لیے بھی اور ساری دنیا کے لیے بھی صنعتی انقلاب ایک نعمت اور برکت ہو تا،مگر افسوس یہ ہے کہ مغربی ذہن اور کیرکٹر نے اس دور میں بھی اپنی انہی کمزوریوں کا اظہار کیا جو اس سے پہلے کے زمانوں میں اس سے ظاہر ہو چکی تھیں،اور اسی بے اعتدالی کی ڈگر پر تا ریخ بھی آگے بڑھی جس پر وہ پہلے سے بھٹک کر جا پڑی تھی۔ پہلے جس مقام پر مالکان زمین اور ارباب کلیسا اور شاہی خاندان تھے ،اب اسی ہٹ دھرمی اور ظلم و زیا دتی کی جگہ بورژوا طبقہ نے سنبھال لی اور پہلے حق طلبی اور شکوہ و شکایت اور غصہ و احتجاج کے جس مقام پر بورژوا حضرات کھڑے تھے ،اب اس جگہ محنت پیشہ عوام آ کھڑے ہو ئے۔پہلے جس طرح جاگیرداری نظام کے مطمئن طبقے نے اپنے بے جا امتیازات اور اپنے نا روا"حقوق" اور اپنی ظالمانہ قیود کی حمایت میں دین اور اخلاق اور قوانین فطرت کی چند صداقتوں کو غلط طریقہ سے استعمال کرکے محروم طبقوں کا منہ بند کرنے کی کو شش کی تھی،اب بعینہ وہی حرکت سرمایہ داری نظام کے مطمئن طبقوں نے شروع کر دی۔اور پہلے جس طرح غصے اور ضد اور جھحھلا ہٹ میں آکر بو رژوا لوگوں نے جاگیر داروں اور پادریوں کی اصل غلطیوں کو سمجھنے اور ان کا ٹھیک ٹھیک تدارک کرنے کی بجائے اپنی نبرد آزمائی کا بہت سا زور ان صداقتوں کے خلاف صرف کر دیاجن کا سہارا ان کے حریف لیا کرتے تھے، اسی طرح اب محنت پیشہ عوام اور ان کے لیڈروں نے بھی غیط و غضب میں نظر و فکر کا تو ازن کھو دیا اور بورژوا تمدن کی اصل خرابیو ں اور غلطیوں پر حملہ کرنے کی بجائے ان فطری اصولوں پر ہلہ بو ل دیا جن پر ابتدائے آفرمنیش سے انسانی تمدن و معیشت کی تعمیر ہو تی چلی آ رہی تھی۔متوسط طبقوں کے لوگ تو اپنی کمزوریاں اور برائیوں کے با وجو دپھر کچھ ذہین اور تعلیم یا فتہ ہو تے ہیں،اس لئے انھوں نے شکائیت اور ضد کے جوش میں بھی تھوڑا بہت توازن برقرار رکھا تھا۔لیکن صدیو ں کے پسے اور دبے ہو ئے عوام جن کے اندر،علم ، ذہانت،تجربہ ہر چیز کی کمی تھی،جب تکلیفوں سے بے قرار اور شکا یات سے لبریز ہو کر بپھر گئے تو کسی بات کو قبول کرنے سے پہلے عقل و حکمت کے ترازو میں تو ل کر اسے دیکھ لینے کا کو ئی سوال ان کے سا منے نہ رہا۔ان کو سب سے بڑھ کر اپیل اس مسلک نے کیا جس نے سب سے زیادہ شد ت کے ساتھ ان کی نفرت اور ان کے غصے اور ان کے انتقام کے تفاضے پورے کیے ۔

یہی تھا وہ غریبو ں کی جھنجلاہٹ کا فرزند ارجمند"سوشلزم " کے نام سے موسو م کیا جا تا ہے ۔جدید سرمایہ داری کو پیدا ہو ئے نصف صدی سے کچھ ہی زیادہ مدت نہ گزری تھی جب وہ تو لد ہو ا اور اس کی ولادت پر نصف صدی سے کچھ بہت زیادہ مدت نہ گزری تھی کہ اس کے ہنگاموں سے دنیا لبریز ہو گئی۔

## سوشلزم اور اس کے اصول

اس نئے مسلک کے مصنفوں نے اپنے حملے کی ابتدا"حقوق ملکیت"

سوشلزم کے اصل معنی ہیں "اجتماعیت" اور یہ اصطلاح اس انفرادیت individualism) (کے مقابلے میں بنائی گئی تھی جس پر جدید سرمایہ داری کا نظام تعمیر ہو ا تھا اس نام کے تحت بہت سے مختلف نظریے اور مسلک کارل کارک سے پہلے پیش کیے جانے شروع ہو گئے تھے جن کا مشترک مقصد یہ تھا کہ کو ئی ایسا نظام زندگی بنایا جائے جس میں بحیثیت مجموعی پو رے اجتماع کی فلاح ہو ۔لیکن وہ سب کاغذ پر رہ گئے ۔مارکس نے آ کر اس طلب عام کا جواب ایک خام قسم کے سو شلزم کی شکل میں دیاجسے " سا ئنٹیفک سوشلزم "،"مارکسزم "اور "کمیو نزم "و غیرہ کے مختلف نا موں سے موسو م کیا جا تا ہے ۔ یہا ں ہم اسی سے بحث کر رہے ہیں کیو نکہ زمین میں جڑ اسی نے پکڑی۔ اصطلاحات کے معاملہ میں علمی نزاکتوں کو قصدا نظر انداز کر کے ہم وہ اصطلا میں استعمال کر ہے ہیں جن سے ہمارے عام اردوخواں لوگ یا تو پہلے ہی مانو س ہیں یا جنہیں اردو زبان با آسا نی قبول کر سکتی ہے سے کی ۔انھوں نے کہا کہ اصل خرابی کی جڑ یہی بلاہے ۔پہنے کے کپڑے ،استعمال کے برتن،گھر کا فرنیچر اور اس طرح کی دوسری چیزیں انفر ادی ملکیت میں رہیں تو مضائقہ نہیں،مگر یہ زمین اور مشین اور آلات اور دوسری ایسی چیزیں جن سے دولت پیدا ہو تی ہے ،ان پر تو افراد کے ما لکانہ حقوق ہر گزقائم نہ رہنے چاہیں۔اس لئے کہ جب ایک شخص ان میں سے کسی چیز کا مالک ہو گاتو دولت پیدا کرے گا۔دولت پیدا کرے گا تو جمع کرے گا ۔جمع کرے گا تو پھر کچھ اور زمین یا مشین خرید کر پیدائش دولت کے ذرائع میں اضافہ کرے گا۔ اضافہ کرے گا تو دوسرے آدمیوں سے تنخواہ ،یا مزدوری یا لگان کا معاملہ طے کر کے ان سے کام لے گا ۔اور جب یہ کا م کرے گا تو لا محالہ وہ سب کچھ کر لے گا جو بو رژوا سرمایہ دار کر رہا ہے ۔لہذا سر ے سے اس جڑ ہی کو کا ٹ دو جس سے یہ بلا پیدا ہو تی ہے ۔ پروانے کی جان بچانی ہے تو مگس کو باغ میں جا نے نہ دو۔

سوال یہ پیدا ہو ا کہ اشیاء استعمال کے حقوق ملکیت کی طرح ذرائع پیداوار کے حقوق ملکیت بھی کو ئی آج کی نئی چیز تو نہیں ہیں جنہیں بو رژوا سرما یہ داروں نے تصنیف کر لیا ہو ۔یہ تو وہ بنیادیں ہیں جن پر قدیم ترین زمانے سے انسانی معیشت و تمدن کی عمارت تعمیر ہو تی چلی آ رہی ہے ۔ ایسی چیز کے اکھاڑ پھینکنے کا فیصلہ آخر یو ں سرسری طور پر کیسے کر ڈالا جائے !۔۔۔ جو اب میں فی البدیہ ایک پوری تا ریخ گھڑ دی گئی کہ انسا نیت کے آغاز میں ذ رائع پیداوار پر انفرادی ملکیت کے حقوق تھے ہی نہیں،یہ تو بعد میں طاقت ور طبقوں نے اپنی خو د غرضی سے قا ئم کر لیے ۔

کہا گیا ، ان حقوق کے سارے مذہب ،تمام اخلاقی نظام ،دنیا بھر کے قوانین ہمیشہ سے مانتے رہے ہیں۔ان میں سے کسی نے بھی یہ نظریہ اختیار نہیں کیا کہ معیشت و تمدن کی وہ صورت بجائے خود غلط ہے جو ذرائع پیداوار کی انفرادی ملکیت سے بنتی ہے ۔۔۔۔۔جو اب میں ایک لمحہ کے تا مل کے بغیر دعوی کر دیا گیا کہ مذہب ،اخلاق اور قانون تو ہر زمانہ کے غالب طبقوں کے آلہ کار رہے ہیں۔ پیدائش دو لت کے ذ را ئع پر جن طبقات کا اجارہ قائم ہو گیا انھیں اپنے اس اجارے کو محفوظ اور مضبو ط کرنے کے لئے کچھ نظریات،کچھ اصولو ں اور کچھ رسموں اور ضابطوں کی حاجت لاحق ہو ئی اورجن لو گو ں نے یہ چیزیں ان کے اغراض کے مطابق بنا کر پیش کر دیں وہ پیغمبر اور رشی اور معلمین اخلاق اور شارع و مقنن قرار دے لیے گئے ۔محنت پیشہ طبقے بہت مدت تک اس طلسم فریب کے شکار رہے،اب وہ اسے توڑ کر رہیں گے !

اعتراض ہو ا کہ ان حقوق کو مٹا نے اور ختم کرنے کے لئے تو ایک ایسی سخت ،نزاع برپا کرنی پڑے گی جس میں ہر قوم کے مختلف عناصرآپس میں ہی گتھ جائیں گے اور قریہ قریہ اور بستی بستی میں طبقاتی جنگ کی آگ بھڑک اٹھے گی جواب میں کچھ دیر نہ گزری تھی کہ ایک پو را فلسفہ تاریخ گھڑ کر رکھ دیا گیاجس میں ثابت کیا گیا کہ انسا نی تمدن کا تو سا را ارتقا ہی طبقاتی جنگ کے ذریعہ سے ہو ا ہے۔ اس راستہ کے سوا ارتقا کا اور کوئی راستہ نہیں ہے ۔

پھر اعتراض ہو ا کہ اپنے ذاتی نفع کے لیے کام کرنا تو انسا ن کی فطرت اور جبلت میں پیو ست ہے اور ہر انسان ماں کے پیٹ سے یہی میلان لیے ہو ئے پیدا ہو تا ہے ۔تم جب افراد سے ذرائع پیداوار کی ملکیت چھین لو گے اور ان کے لیے یہ موقع با قی نہ رہنے دو گے کہ وہ جتنی کو شش کریں اتنا نفع حاصل کرتے چلے جائیں،تو ان کے اندر کو شش کرنے کا جذبہ ہی نہ پیدا ہو گا اور یہ چیز با لآخر انسانی تہذیب و تمدن کے لیے برباد کن ثابت ہو گی اس پر چھوٹتے ہی برملا جواب دیا گیا فطرت؟جبلت؟ موروثی میلا نات ؟یہ کیا بو روژا پن کی با تیں کرتے ہو ۔انسان کے اندر ان ناموں کی کو ئی چیز سرے سے موجود ہی نہیں ہے ۔اس کے تو سارے رجحانات صرف اجتماعی ماحو ل کی پیداوار ہیں۔ایک ماحو ل کو بدل کر دوسرا پیدا کر دو ،اس کا دماغ دوسری طرح سو چنے لگے گا ،اسکا دل دوسری قسم کے جذبات کی آماجگاہ بن جائے گا،اس کے نفس سے کچھ اور ہی میلانات کی تراوش شروع ہو جا ئے گی ۔جب تک انفرادی ملکیت کا نظام قائم ہے ،لو گ "انفرادی الذ ہن " ہیں۔ انفرادی ملکیت کا نظام قائم ہو جائے گا،یہی سب لوگ" اجتماعی الذ ہن " ہو جائیں گے ۔

پوچھا گیا ،انفرادی ملکیت ختم کر کے آخر سارامعاشی کاروبار چلایا کیسے جائے ؟ جواب ملا ،تمام ذرائع پیداوار ( زمین ،کا رخانے ،اور ہر قسم کے تجارتی و صنعتی ادارے ) افراد کے قبضے سے نکال کر قومی ملکیت بنا دئیے جا ئیں گے،جو لو گ ان اداروں میں کام کریں گے انہی میں ان کا منافع تقسیم ہو جائیں گے اور ان کارکنوں کے ووٹوں سے ہی وہ منتظمین منتخب ہو ا کریں گے جن کے ہاتھ میں اس ساری معیشت کا انتظام ہو گا۔

سوال اٹھا،جو لوگ اس وقت زمینوں اور کارخانوں اور دوسرے ذرائع پیداوار کے مالک ہیں ان کی ملکیت ختم کرنے اور اجتماعی ملکیت قائم کرنے کی صورت کیا ہو گی؟اس سوال کے دو مختلف جواب دئیے گئے :

ایک مسلک والوں نے جواب دیا اس تغیر کے لیے جمہوری طریقے اختیار کیے جائیں گے ،رائے عامہ کو ہموار کرکےسیا سی اقتدار پر قبضہ کیا جائے گا اور قانون سازی کے ذریعہ سے بتدریج زرعی جائدادوں اور صنعتوں اور تجارتوں کو(بعض حالات میں بلا معاوضہ اور بعض حالات میں معاوضہ ادا کر کے ) اجتماعی ملکیت بنا لیا جائے گا۔یہی لو گ ہیں جن کے لیے اب با لعموم "سوشلٹ" کا لفظ مخصوص ہو گیا ہے ،اور کبھی کبھار ان کے مسلک کو "ارتقائی سو شلزم "بھی کہتے ہیں۔

دوسرے مسلک والوں نے کہاجمہوری طریقوں سے یہ تغیر نہیں ہو سکتا۔اس کے لیے تو انقلابی طریق کار ناگریز ہے ۔نادار اور محنت پیشہ عوام کو منظم کیا جائے گا۔ملکیت رکھنے والے طبقوں کے خلاف ہر ممکن طریقہ سے جنگ کی جائے گی۔بورژوا حکومت کا تختہ الٹ دیا جائے گا۔مزدوروں کی ڈکٹٹیرشپ قائم کی جائے گی۔مالکان زمین سے ان کی زمینیں اور کارخانہ داروں سے ان کے کارخانے اور تاجروں سے ان کی تجارتیں زبردستی چھین کی جائیں گی۔ جو مزاحمت کرے گا اسے فنا کے گھاٹ اتار دیاجائے گا۔سارے طبقات کو ختم کر کے تمام آبادی کو ایک طبقہ( یعنی اپنے ہاتھ سے کام کرکے روٹی کمانے والاطبقہ) بنا دیا جائے گا۔اور ازروئے قانون یہ چیزحرام کر دی جائے گی کہ ایک شخص دوسرےیا دوسرےاشخاص سے اجرت پر کام لے اور اس کا م کا نفع[واضح رہے کہ کمیونسٹ نظریہ کی رو سے اگر کو ئی درزی یانابنا تی تنہا خوداجرت پر کپڑے پہنے یا لو گو ں کو روٹی پکا کر دے تو اس کا یہ کام جائز ہے ۔لیکن اگر وہ کسی ایک لڑکے کو مزدوری یا تنخواہ پر رکھ لے اور اپنے کام میں مدد لینے لگے تو اسی وقت وہ بو رژوا بن جائے گا اور اس کا سارا کاروبار ایسا سخت جرم ہو جائے گا۔جس کی کم سے کم سزاضبطی جائیداد ہے]کھائے۔پھر جب یہ انقلاب مکمل ہو جا ئے گا اور سر مایہ دار طبقات کے از سر نو جی اٹھنے کاکو ئی خطرہ با قی نہ رہے گاتو یہ ڈکٹیٹر شپ آپ سے آپ (خدا جانے کس طرح) سوکھ کر جھڑ جائے گی اور جود بجود(نہ معلوم کیسے ) ایک ایسا نظم اس کی جگہ لے لے گاجس میں حکومت اور جبر کے بغیر زندگی کے سارے شعبے لو گو ں کی باہمی رضامندی،مشاورت اور تعاون سے چلتے رہیں گے ۔اس دوسرے مسلک کا نام "انقلابی سوشلزم "ہے ۔اسی کو "بو لشوزم" کے نام سے بھی یاد کیاجاتا ہے ۔اسی کو "مارکسزم" بھی کہتے ہیں۔مگر اب دنیا اس کو زیادہ تر "کمیونزم" کے مشہورمعروف نام سے جانتی ہے ۔

*ستر*اسی سال تک سوشلزم کا یہ نیامسلک اپنی بے شمارشاخوں اور اپنے مختلف الاقسام مذاہب فکر کے ساتھ یورپ او ر اس کے زیراثر ملکوں میں پھیلتا رہا ۔ ابتداء یہ چند سرپھروں کی ایک نرالی اپچ تھی جس کے مقدمات اور دلائل اور نتائج، سب قطعی مہمل تھے اور صرف غصب ناک مزدورں ہی میں اس کو علم و عقل کی بنا پر نہیں بلکہ بھڑکے ہو ئے جذبات کی بنا پر مقبولیت حاصل ہو رہی تھی۔ لیکن مغربی ذہن کی دلچسپ کمزوریوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ اپچ کو بہت پسند کرتا ہے ،خصوصا جب کہ وہ نہایت لغو ہو اور اس کاپیش کرنے والا بے دھڑک اور بے جھجک ہو کر بڑے سے بڑے مسلمات کو کاٹتاچلا جائے اور اپنے دعادی کو ذراسانٹفک طریقہ سے اتنا مرتب کر لے کہ ان کے اندر ایک سسٹم پیداہو جائے[یہ با ت کسی جغرافی تعصب کی بنا پر نہیں کہی جا رہی ہے۔مشرق میں جو مغرب زدہ ذہین پیدا ہو ا ہے اس کا حال اس سے بھی بد تر ہے ۔مغربی ذہین پھر غنیمت ہے کہ کچھ ا پچ کی بات دیکھ کر اس پر ر یجھتا ہے اور ایک سسٹم اور سا ئنفٹک طرز کو تو پسند کرتا ہے مگر یہاں وہ غلام ذہین جنم لے رہا ہے جس کو مرعوب ومتاثر کر نے والی چیز صرف یہ ہو تی ہے کہ بات مغرب کے کسی امام کی کہی ہو ئی ہے ]۔یہ خصوصیات اس "سائنٹفک سو شلزم"میں بدوجہ اتم پائی جاتی تھیں۔اسی وجہ سے نچلے متوسط طبقے کے بہت سے ذ ہین لوگ اور خود بورژوا طبقہ میں سے بعض خبطی اوربعض ہو شیار لوگ اس مسلک کیطرف متوجہ ہو گئے ۔ اس کی شرح وتفسیر اور دعوت و تبلیغ میں کتابوں،رسالوں کے ڈ ھیرلگنے شروع ہو گئے ،دنیا بھر کے ملکوں میں مختلف سوشلسٹ نظریات کی حامی پارٹیاں منظم ہو گئيں،اور آخر کار انسانوں کی ایک بہت بڑی تعداد سنجیدگی کے ساتھ یہ سمجھنے لگی کہ ان نظریات پر ایک نظام تمدن و معیشت تعمیر ہو سکتا ہے ۔

# کمیونزم اور اس کا میزانیہ نفع و نقصان

جہاں تک ارنقائی سوشلزم کا تعلق ہے اس نے ابھی دنیا میں اپنا کو ئی نمونہ پیش نہیں کیا ہے جس کو دیکھ کر ہم پورے طور پر معلوم کر سکیں کہ اس کا طریقہ کار کس طرح انفرادی سرمایہ داری کے نظام کو اجتماعیت میں تبدیل کرے گا اور اس سے کیا نتائج برآمد ہو ں گے ۔اس لئے ہم اس کو چھوڑ کر یہاں انقلابی اشتراکیت،یعنی کمیونزم کے کارنامے کا جائزہ لیں گے ،جس نے18- 1914ء کی جنگ عظیم اول سے فائدہ اٹھا کو روس میں فی ا لواقع ایک انقلاب برپا کر دیا گیا اور اپنے نظریات کے مطابق ایک پورا نظام تمدن قائم کر ڈالا۔ [واضح رہے کہ سوشلزم اور کمیونزم میں فرق صرف طریق کارکا ہے ۔رہا یہ اصول کہ ذرائع پیداوار کو قو می ملکیت بنا دیا جائے ،تو وہ دونوں میں مشترک ہے ۔اس لیے طریقہ کی بحث کو الگ کرکے ذرائع پیداوار کو قومی بنانے کے فوائد اور نقصانات پر جو کچھ بھی گفتگو کی جائے گی وہ ان دونوں مسلک پر چسپاں ہو گی۔ ]روسی اشتراکیت چونکہ پچھلے کئی سال سے سخت مباحثوں اورمناظروں کا مو ضوع بنی ہو ئی ہے ،اس لیے اس کے میزان نفع و نقصان بنانے میں اس کے حامیوں اور مخالفوں،دونوں کی طرف سے بڑی کھینچ تان ہو تی رہتی ہے ۔ اس کے حامی اس کے نفع کے پہلو میں بہت سی ایسی چیزوں کو داخل کر دیتے ہیں جو جو دراصل اشتراکیت کے منافع نہیں ہے بلکہ قابل اور مستعد لوگوں کے ہاتھ میں انتظام ہو نے کے ثمرات ہیں۔ دوسری طرف اس کے مخالف اس کے نقصان کے پہلو میں بہت سی ان خرابیوں کو رکھ دیتے ہیں جو بجائے خود اشتراکیت کے نقصانات نہیں بلکہ ظالم اور تنگ ظرف افراد کے برسر اقتدار آنے کے نتائج ہیں۔اشراکی روس کے حامیوں کا یہ طریقہ کہ وہ عہد زار کے روس کی خستہ حالی جہالت اور پس ماندگی سے موجودہ روس کی علمی،ذہنی،صنعتی اور تمدنی حالت کا مقابلہ کرتے ہیں،اور حاصل جمع و تفریق میں ترقی نکلتی ہے اس سب کو اشتراکیت کی برکات کے خانے میں درج کردیتے ہیں،اصولا کسی طرح صحیح نہیں ہے ۔تیس بتیس سال کی مدت میں جتنی کچھ بھی ترقی روس نے کی ہے اس کا مقابلہ اگر امریکہ،جاپان یا جرمنی کے ایسے ہی تیس بتیس سال سے کیا جائے تو شاید تنا سب کچھ زیادہ ہی نکلے گا۔

مثلا 1868ء میں جاپان تعلیم اور صنعت و حرفت اور قدر تی وسائل کے استعمال اور پیداوار دولت کے لحاظ سے کیا کچھ تھا اور 1904ء میں جب اس نے روس کو شکست دی تو وہ ان حیثیات سے کس مرتبے پر پہنچ گیا تھا۔یا 1870ء میں جرمنی کی کیا حالت تھی اور بیسویں صدی کے آغاز تک پہنچتے پہنچتے اس کے باشندے علمی اور ذہنی حیثیت سے اور اس کے معاشی وسائل اپنی پیداوار کے لحاظ سے کہاں تک جا پہنچے تھے ۔اگر ان ترقیات کا اتنی ہی مدت کی روسی ترقیات سے موازنہ کر کے دیکھا جائے تو روس کے حساب میں آخر کتنا سرمایہ افتخار ملے گا؟ پھر کیا یہ اصول مان لیا جائے کہ ایک ملک نے ایک خاص زمانہ میں اگر کچھ غیر معمولی ترقی کی ہو تو اس کی سا ری تعریف ان اصولوں کے حق میں لکھ دی جائے جس پر اس ملک کا نظام تمدن و معیشت و سیاست قائم ہو ؟ حالانکہ بسا اوقات اجتماعی زندگی کا سارا کا رخانہ غلط اصولوں پر چل رہا ہو تا ہے ،مگر رہنماؤں کی انفرادی خوبیاں اور ان کے مددگار وں کی عمدہ صلاحیتں بڑے شاندار نتائج پیدا کر دکھا تی ہیں ۔ علی ہذا القیاس اشتراکی روس کی جن خرابیوں کا حوالہ اسکے مخا لفین دیتے ہیں ان میں بھی بہت سی خرابیاں وہ ہیں جو کم و بیش اسی طریقہ پر غیر اشتراکی جباروں کی فر ما نروائی میں بھی پائی جا تی ہیں ۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ہم ان سب کو برے افراد کے حساب سے نکال کر اس اصول کے حساب میں ڈال دیں جس پر ان کا تمدن و معیشت قائم ہو ا ہے ؟

## فوائد

غیر متعلق چیزوں کو الگ کر کے جب ہم اصل اشتراکیت کے اس کار نامے پر نگاہ ڈ التے ہیں جو روسی تجربے کی بدولت ہمارے سامنے آیا ہے ،تو نفع کے خانے میں ہم کو یہ چیزیں ملتی ہیں:-

(1) افراد کے قبضہ سے زمین ،کارخانے اور تمام کاروبار نکا ل لینے کا یہ فائدہ ہو ا کہ اشیاء کی لاگت اور ان کی بازاری قیمت کے درمیان جو منافع پہلے زمیندار،کارخانہ دار اور تاجر لیتے تھے وہ اب حکومت کے خزانے میں آنے لگا اور یہ ممکن ہو گیا کہ اس منافع کو اجتماعی فلاح کے کاموں میں صرف کیا جا سکے ۔

(2) تمام ملک کے ذرائع پیداوار ایک ہی نظم ونسق کے قبضہ میں آجانے سے یہ ممکن ہو گیا کہ ایک طرف ایک سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق ان سب کو زیادہ سے زیادہ ترقی دینے اور زیادہ سے زیادہ مفید طریقے سے استعمال کرنے کی کو شش کی جائے اور دوسری طرف سارے ملک کی ضروریات کو سامنے رکھ کر انھیں پورا کرنےکی منظم تدابیر عمل میں لائی جائیں۔

(3) سارے مسائل دولت پر قابض ہو کر جب حکومت ایک جامع منصوبہ بندی کے مطابق ان کو چلانے لگی تو اس کے لیے یہ بھی ممکن ہو گیا کہ ملک کے تمام قابل کار آدمیوں کو کام پر لگایا جائےاور یہ بھی کہ وہ ان کو ایک سوچی سمجھی اسکیم کے مطابق تعلیم و تر بیت دے کر اس طرح تیار کرے کہ اجتماعی معیشت کے لیے جن پیشوں اور خدمات کے لئے جتنے آدمی درکار ہیں اتنے ہی وہ تیار کئے جاتے رہیں۔

(4) اوپر نمبر ایک میں زراعت ،صنعت اور تجارت کے جس منافع کا ذکر کیا گیا ہے وہ جب حکومت کے ہاتھ میں آگیا تو وہ اس قابل ہو گئی کہ اس منافع کا ایک حصہ"سوشل انشور نس " کے انتظام پر صرف کرے ۔سوشل انشورنس کا مطلب یہ ہے کہ تمام ملک میں جو لو گ کام کرنے کے قابل نہ ہو ں یا عارضی یا مستقل طور پر نا قابل کا ر ہو جائیں۔یا بیماری،زچگی اور دوسرے مختلف حالات کی وجہ سے جن کو مدد کی ضرورت پیش آئے ان کو ایک مشترک فنڈ سے مدد دی جائے ۔

## نقصانات

کو ئی شک نہیں کہ بے قید معیشت سے جو بیماریاں پیدا ہو ئی تھیں ، اس آپریشن نے ان کا خوب ہی علاج کیا مگر روس کو اس کی کیا قیمت دینی پڑی؟ اور پچھلی بیماریوں کو دور کرنے کے لئے دوسری کیا بیماریاں اس نے مول لیں؟ اب ذرا اس کا جائزہ بھی لے لیں:

(1)افراد کے قبضہ سے زمینوں،کارخانوں اور دوسرے ذرائع پیداوار کو نکا لنا اور ان ساری چیزوں کو اجتماعی ملک بنا دینا بہر حال کو ئی کھیل نہ تھا کہ بس ہنسی خوشی انجام پا گیا ہو ۔یہ ایک بہت ہی سخت کام تھاجو برسو ں تک مسلسل نہایت ہو لناک ظلم و ستم کرنے سے پایہ تکمیل کو پہنچا۔ہر شخص خود ہی قیاس کر سکتا ہے کہ آپ لاکھوں آدمیوں کو ان کی چھوٹی بڑی املاک سے زبردستی بے دخل کرنے پر تل جائیں تو وہ با آسانی آپ کے اس فیصلہ کے آگے سر تسلیم خم نہ کر دیں گے ۔ یہ کام جب بھی اور جہاں بھی ہو گا سخت کشت و خون ہو گا۔ اندازہ کیا گیا ہے کہ اس اسکیم کو عمل میں لانے کے لیے تقریبا 19لا کھ آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتارا گیا،20 لاکھ آد میوں کو مختلف قسم کی سزائیں دی گئیں،اور چالیس پچاس لاکھ آدمیوں کو ملک چھوڑ کر دنیا بھر میں تتر بتر ہو جانا پڑا۔صرف ایک اجتماعی زراعت کی اسکیم نافذ کرنے کے لیے لاکھوں چھوٹے چھوٹے اور متوسط زمینداروں (kulaks)کو جس بے دریغ طریقہ سے فنا کیا گیا اس پر تو خود روس کے پرجوش حامی بھی چیخ اٹھے۔

(2) جو لو گ تمام دنیا کے مسلم مذہبی،اخلاقی اور قانونی اصولوں کے مطابق اپنی املاک کے جائز مالک ہوں انہیں اگر آپ اپنی ایک خود ساختہ اور نرالی اسکیم نافذ کرنے کے لیے زبردستی ان کی ملکیتوں سے بے دخل کر نا چائيں گے تو لا محالہ آپ کو نہ صرف ان تمام مذہبوں اور اخلاقی اصولو ں کا،جو آپ کے نظریہ کے خلاف ہیں،انکار کرنا پڑے گا،بلکہ ملکتیتوں کے ساتھ ان کی بھی بیخ کنی اپنی ساری قوت لگا دینی ہو گی۔مزید برآں اپنی اس اسکیم کو ہر قسم کی بے دردی،شقادت،ظلم ،جھوٹ اور فریب سے نافذکرنے کے لیے آپ مجبور ہوں گے کہ سرے سے ایک نیا ہی نظریہ اخلاق وضع کریں جس کے تحت ہر ظلم و جبر اور ہو بے دردی اور سنگدلی کا ارتقاب جائز ہو ۔یہی وجہ ہے کہ اشتراکی لیڈروں اور کارکنوں نے اپنے پیش نظر انقلاب کو عمل میں لانے کے لیےخدا اور مذہب کے خلاف سخت پروپیگنڈا کیا،اور بو رژوا طبقہ کے ساتھ ساتھ مسلمانوں اور عیسائیوں کے مذہبی طبقوں کو بھی بڑ ی سختی سے کچلا،اور اخلاق کا ایک نیا نظریہ پیدا کیا جو لینن کے الفاظ میں یہ ہے:

ہم ہر اس اخلاق کو رد کرتے ہیں جو عالم بالا کے کسی تصور پر مبنی ہو یا ایسے خیالات سے ماخود ہو جو طبقاتی تصورات سے ماوراء ہیں ۔ ہمارے نزدیک اخلاق قطعی اورکلی طور پر طبقاتی جنگ کا تابع ہے ۔ہر وہ چیز اخلاقا با لکل جائز ہے جو پرانے نفع اندوز اجتماعی نظام کو مٹانے کے لیےاور محنت پیشہ طبقوں کو متحد کر نے لیے ضروری ہے ۔ہمارا اخلاق بس یہ ہے کہ ہم خوب مضبو ط اور منظم ہوں اور نفع گیر طبقوں کے خلاف پورے شعور کے ساتھ جنگ کریں۔ہم یہ مانتے ہی نہیں کہ اخلاق کے کچھ ازلی و ابدی اصول بھی ہیں۔ہم اس فریب کا پردہ چاک کر کے رہیں گے ۔اشتراکی اخلاق اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ مزدوروں کی مطلق العنان حکومت کو مضبوطی کے ساتھ قائم کرنے کے لیے جنگ کی جائے ۔

" نا گزیر ہےکہ اس کام میں ہر چال ۔فریب،غیر قانونی تد بیر،حیلے بہانے اور جھوٹ سے کام لیا جائے ۔"

یہ دوسری بھاری قیمت تھی جو سر زمین روس کو اشتراکی نظام کے لیے دینی پڑی۔یعنی صرف ایک کروڑ آدمیوں کی زندگی ہی نہیں،بلکہ اس کے ساتھ دین ،ایمان،اخلاق،انسانیت،شرافت اور وہ سب کچھ جو ایک انوکھی اسکیم کو جبر وظلم سے نافذ کرنے میں مانع تھا۔

(3)ہم خود اپنے ملک میں اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہیں کہ جب ایک طرف عا لم اخلاق کے بند ڈ ھیلے ہو جاتے ہیں،اور دوسری طرف مختلف ضروریات زندگی پر سرکاری کنٹرول نافذ کر دیا جاتا ہے ،تو رشوت ،خیانت اور غبن کا سلسلہ بے تحاشا چل پڑتا ہے ۔زندگی کی جو ضرورت بھی پرمٹ ،لائسنس،راشن کارڈیا کوٹا ملنے پر موقوف ہو جاتی ہے اسی کے معاملے میں پبلک کو ہر طرح سے تنگ ہو نا پڑتا ہے اور سرکاری آدمیوں کے وارے نیارے ہو نے لگتے ہیں۔اب خود اندازہ کر لیجیے کہ جہاں ایک طرف سارے ہی اخلاقی مسلمات کی جڑین ہلا ڈالی گئی ہو ں اور اخلاق کا یہ اصول لو گو ں کے ذہین نشین کر دیا گیا ہو کہ جو کچھ مفید مطلب ہے وہی حق اور صدق ہے اور ملک کے رہنماؤں نے خود بد ترین ظلم و ستم کرکے اس نئے اخلاق کے شا ندار نمونے دکھا دئیے ہوں دوسری طرف جہاں ضرورت کی صرف چند چیزیں نہیں بلکہ ملک کی پوری معاشی دولت اور سارے وسائل زندگی سرکاری کنٹرول میں ہو ں،وہاں رشوت، خیانت ،غبن اورمروم آزادی کی کیسی کچھ گرم بازاری ہو گی۔یہ معاملہ صرف قیاس کی حد تک نہیں ہے ۔روس کے " آہنی پردے"سے چھن چھن کر جو خبرین وقتا فوقتا با ہر آجاتی ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہاں عمال حکومت اور مختلف معاشی اداروں کے ارباب انتظام نے "بدکرداری" (corruption) کا ایک اچھا خاصاسخت مسئلہ پیدا کر دیا ہے ۔ در حقیقت

وہاں اس مسئلے کا پیدا ہو نا قابل تعجب نہیں ہے بلکہ نہ ہو نا تعجب کے قابل ہو تا۔ایک نظام کو تم بد اخلاقی کے زور سے تو ڑ بھی سکتے ہو ،اور دوسرا نظام بد اخلاقی کے زور سے قائم بھی کر سکتے ہو ، لیکن کسی نئے نظام کو بد اخلا قی کے بل بو تے پر چلا لے جانا سخت مشکل ہے ۔اسے ٹھیک ٹھیک چلانے کے لیے بہر حال عمدہ او ر مضبو ط سیرت کے آدمیوں کی ضرورت ہے اوراس کا سانچہ تم خود پہلے ہی توڑ چکے ہو ۔

(4) انفرادی ملکیتو ں کو ختم کر کے اجتماعی ملکیت کے اصول پر ملک کے معاشی نظام کو کامیابی کے ساتھ چلانے کے ليے سب سے بڑھ کر جس چیز کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ لوگو ں کے اند ر سے خود غرضی اور ذاتی نفع کی طلب نکال دی جائے اور ان صفات کی بجائے ان کے ذہین پر مجموعی بھلائی کے لیے کام کرنے کا جذبہ اتنا غالب کر دیا جائے کہ وہی ان کے اندر اصل محرک عمل بن جائے ۔اشتراکیوں کا دعوی یہ تھا کہ انسانی فطرت اور جبلت اور موروثی میلانا ت محض بو رژوافلسفہ و سائنس کے ڈھکو سلے ہیں۔اس نام کی کو ئی چیز انسان کے اندر موجو د نہیں ہے ۔ہم ذاتی نفع طلبی اور خود غرضی کے میلانات لوگو ں کے اندر سے نکال ڈالیں گے اور ماحو ل کے تغیر سے اجتماعی ذہینت ان میں پیدا کر دیں گے ۔ لیکن اس بے بنیاد دعوے کو عملی جامہ پہنانے میں اشتراکی حضرات قطعی ناکام ہو چکے ہیں۔وہ اپنے ملک کے عوام اور اپنے نظام معیشت و تمدن کے کا ر فرماؤں اور کارکنوں میں حقیقی اجتماعی ذہنیت اس مقدار سےایک ماشہ بھر بھی زیا دہ نہیں بڑ ھا سکے جتنی ہر سوسائٹی کے لوگو ں میں فطرۃ موجو د رہتی ہے ۔وہ ان کے اندر سے خو د غرضی و نفع طلبی کو نکال دینا تو درکنار اسے کم بھی نہ کر سکے ،بلکہ انہیں تھک ہار کر آخر کار اسے سیدھی طرح تسلیم کرنا پڑااور لو گو ں سے کام لینے کے لیے ان کی خود غرضی ہی کو اپیل کرنا پڑا۔اس حد تک تو خیر وہ بو رژوا نظام زندگی کے برابر رہے ۔مگر جس چیز نے ان کو بو رژوا نطام سے بھی زیا دہ خرابی میں مبتلاکیا وہ یہ ہے کہ جب انھوں نے افراد کی نفع طلبی کے لیے زراعت ، صنعت،تجارت اور دوسرے فائدہ مند کا روبار کے فطری راستے بند کر دئیے اور مصنوعی پروپیگنڈا کے ذریعہ سے اس نفع طلبی کے صاف اور سیدھے اور معقول مظاہر کو خوامخواہ معیوب ٹھہرا دیا تو یہ جذبہ اندر دب گیا، اور انسان کے تمام دوسرے دبے ہو ئے جذبات کی طرح اس نے بھی منحرف (pervert)ہو کر اپنے ظہو ر کے لیے ایسی غلط راہیں نکال لیں جو سوسائٹی کی جڑیں اندر ہی اندر کھوکھلی کر رہی ہیں ۔اشتراکی معاشرے میں رشوت،خیانت،چوری،غبن اور اسی طرح کی دوسری برائیوں کے بڑھنے میں اس چیز کابڑا دخل ہے ۔ وہا ں اگر کو ئی چیڑ ممنوع ہے تو صرف یہ کہ ایک آدمی اپنی کمائی ہو ئی دولت کو مزید دولت پیدا کرنے والے کسی کاروبار میں لگائے ۔اس کے سوا دولت کے سارے مصرف اسی طرح کھلے ہو ئے ہیں جس طرح ہماری سےسائٹی میں ہیں۔ایک آدمی اپنے لباس،خوراک،مکان ،سواری،فرنیچر،اور سامان عیش و عشرت تر جتنا چاہیے روپیہ خرچ کر سکتا ہے ،اپنا معیار زندگی جتنا چاہے بلند کر سکتا ہے عیا شی وخوش باشی کی وہ ساری ہی صورتیں دل کھول کر اختیار کر سکتا ہے جو مغربی سوسائٹی مباح ہیں۔اس لیے جو روپیہ بچے اسے جمع کر سکتا ہے ،اس جمع کردہ دولت کو(براہ راست خودتو نہیں مگر )حکومت کے ذریعہ سے کاروبار میں لگا سکتا ہے اور اس پر آٹھ دس فی صدی سا لانہ تک سود پا سکتا ہے ،اور جب مرنے لگے تو اس جمع شدہ دولت کو اپنے وارثوں کے لیے چھوڑ سکتا ہے ۔

(5) اس قدر کشت و خون اور اکھیڑ پچھاڑ اور اتنے بڑے پیمانے پر دین و اخلاق اور انسانیت کی بربا دی جس غرض کے لیے برداشت کی گئی تھی وہ یہ تھی کہ اشیاء کی لا گت اور ان کی با زاری قیمت کے دومیان جو منافع صرف زمیندار اور کا ر خا نہ دار اور تاجر طبقے کھا جاتے ہیں وہ چند مخصوص طبقوں کی جیب میں جانے کی بجائے پوری سوسائٹی کے خزانے میں آئے اور سب پر برابری کے ساتھ یا کم از کم انصاف کے ساتھ تقسیم ہو ۔یہی انفرادی ملکیتوں کو ختم کرنے کی اصل غرض تھی اور یہی اگر حاصل ہو تی تو اسے اجتماعی ملکیتوں کا اصلی فائدہ کیا جا سکتا تھا۔مگر کیا واقعی یہ مقصد پو را ہو ا؟ ذرا تجربہ کر کے دیکھے کہ انفرادی ملکیتوں کو ختم کرنے سے زراعت ،صنعت اور تجارت کے جو منافع اجتماعی خزانے میں آ رہے ہیں وہ تقسیم کس طرح ہو تے ہیں۔

حکومت کے تمام شعبوں اور معاشی کا روبار کے تمام اداروں میں ادنی ملازمین اور اعلی عہد ہ داروں کے درمیان معا وضوں میں اتنا ہی فرق ہے جتنا کسی بورژوا سو سا ئٹی میں پایا جاتا ہے ۔ ایک طرف عا م کا رکن کی تنخواہ اور اس کی زندگی کا معیار امریکہ اور انگلستان کے مزدوروں کی بہ نسبت بہت پست ہے اور ہندوستان و پا کستان کے معیار سے اگر کچھ اونچا ہے تو کچھ بہت زیادہ نہیں ۔ دوسری طرف ڈاکٹروں اور منیجروں اور حکومت کے عہدہ داروں اور فوجی افسروں اور ایکٹروں اور ایکٹر سو ں اور مصنفین و مولفین وغیرہ کی آمدنیاں بڑھتے بڑھتے گئی کئی لاکھ روبل سالانہ تک پہنچ گئی ہیں۔ گویا اگر پو ری طرح نہیں تو ایک بڑی حد تک یہ تجارتی و صنعتی منافع اونچے اور نیچے طبقوں کے درمیان اسی نا مساوی طریقہ سے تقسیم ہو رہا ہے ۔جس طرح پہلے محنت پیشہ مز دوروں اور بورژوا لوگوں کے درمیان ہو تا تھا۔

پھر اشتراکی انقلاب برپا کرنے کے لیے محنت پیشہ عوام اور بورژوا لو گو ں کے درمیان نفرت اور بغض اور انتقام کی جو عالمگیر آگ بھڑ کا ئی گئی اس نے تمام دنیا کے غیر اشتراکی معا شروں کو روس کا مخالف بنا دیا اور اس بنا پر روس مجبور ہو گیا کہ انفرادی ملکیتو ں کو ختم کرکے جو تجارتی وصنعتی منافع اس نے بورژوا طبقوں کے ہا تھوں میں جانے سے بچایا تھا اس کا ایک بڑا حصہ جنگی تیا ریوں پر صرف کر دے۔

ان دو بڑی بڑی مدوں میں کھپ جانے کے بعد اس منا فعے کا جتنا حصہ محنت پیشہ عوام کے نصیب میں آیا ہے وہ بس وہی ہے جو " سو شل انشو رنس " کے کام میں صرف ہو تا ہے ۔اور کل منا فعے کے مقا بلہ میں اس کا تنا سب کیا ہے؟

انتہا ئی مبا لغہ کے ساتھ بمشکل ایک یا دو فیصدی۔[**1ےسو شل انشورنس کا فنڈ روس میں جس طریقہ سے فراہم کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ ہر ادارے کا نظم و نسق بحیثیت مجموعی جتنی رقم کا رکنوں کے معاوضہ پر صرف کرتا ہے اس کا دس فیصدی سے لے کر 20 فی صدی تک ایک حصہ اسے ایک مخصوص قاعدے کے مطابق سوشل انشورنس اسکیم کے حساب میں جمع کر دینا ہو تا ہے ۔اس طرح اوسطا تما م ملک کی تنخواہو ں اور مزدوروں کے مجموعہ کا 14 فی صدی حصہ کارکنوں کی اجتما عی بہتری پر صرف ہو رہا ہے ۔یہ مشکل ہی سے کل معاشی منافع کا ایک یا دو فی صدی حصہ بنتا ہے** ]

سوال یہ ہے کہ اگر اتنا ہی کچھ ،بلکہ اس سے زیادہ اچھی طرح سے کسی اور طریقہ سے سو شل انشورنس کے لیے ملنے لگے تو پھر اس مار دھاڑ اور ظلم و ستم اور اس قربانی دین و اخلاق کے سا تھ انفرادی ملکیتیں ختم کرتے اور خواہ مخواہ اجتماعی ملکیت کا ایک مصنو عی نظام انسانی زندگی پر ٹھو نسنے کی آخر حا جت ہی کیا ہے ؟

(2) اجتماعی ملکیت،اجتماعی نظم و نسق اور اجتماعی منصوبہ بندی کو رائج کرنے کے لیے جان و مال اور مذہب و اخلاق اور انسانیت کی جو اکھٹی بر با دی روس کو برداشت کر نا پڑی وہ تو گو یا اس تجربے کے آغاز کی لاگت تھی۔مگر اب روبعمل آ جا نے کے بعد روزمرہ کی زندگی میں وہ اہل روس کو دے کیا رہا ہے اور ان سے لے کیا رہا ہے ؟ اس کا بھی ذرا موازنہ کر دیکھے ۔وہ جو کچھ انھیں دیتا ہے وہ یہ ہے کہ:

ہر شخص کے لیے کم از کم اتنے روزگار کا انتظام ہو گیا ہے جس سے وہ دو وقت کی روٹی اور تن ڈھانکنے کو کپڑا اور سر چھپانے کو جگہ پا سکے اوراجتماعی صور پر اس امر کا بھی انتظام ہو گیا ہے کہ برے وقت پر آدمی کو سہارا مل سکے ،بس یہی دو اصل فائدے ہیں جو اس نئے نظام نے باشندگان ملک کو دئیے ۔ اب دیکھے اس نے لیا کیا۔انفرادی ملکیت کی بجائے اجتماعی ملکیت کا نظام قائم کرنے کے لیے ناگزیر تھا کہ یہ کام وہی پارٹی اپنے ہاتھ میں لے جو اس نظریہ کر لے کر اٹھی تھی،یعنی کمیونسٹ پارٹی\_\_ اس پارٹی کا نظریہ خود بھی یہ تھا،اور خود اس کے کام کا تقاصا بھی یہی تھا کہ ایک زبردست ڈکٹیٹر شپ قائم ہو جو پو رے زور کے ساتھ انفرادی ملکیت کے نظام کو تو ڑ دے اور سخت ہا تھو ں سے نئے نظام کو رائج کر دے ،چنانچہ یہ ڈکٹیٹر شپ قائم ہو گئی اور اس کو کارکنوں کی ڈکٹیٹر شپ کا نام دیا گیا۔لیکن ہر شخص جانتا ہے کہ روس کے مزدوروں اور کاشت کا روں اور مختلف شعبائے زندگی کے کارکنوں کی ساری آبادی کمیونسٹ پا رٹی میں شامل نہیں ہے ۔شاید اس آبادی کے 5 فی صدی لو گ بھی پا رٹی کے ممبر نہ ہو ں گے۔پس ظاہر میں تو نام یہ ہے کہ یہ مزدوروں کی ڈکٹیٹر شپ ہے ۔مگر حقیقت میں یہ مزدوروں پر کمیونسٹ پارٹی کی ڈکٹیٹر شپ ہے ۔

اور یہ ڈکٹیٹر شپ بھی کچھ ہلکی پھلکی سے نہیں،اجتماعی ملکیت کے معنی یہ ہیں کہ ملک کے تمام زمیندار ختم کر دئیے گئے اور ایک وحدہ لا شریک زمیندار سارے ملک کی زمین کا ما لک ہو گیا۔سارے کارخانہ دار اور تجاراور مستاجر بھی ختم ہو گئے اور ان سب کی جگہ ایسے سرمایہ دار نے لے لی جو ذرائع پیداوار کی ہر قسم اور ہر صورت پر قابض ہو گیا۔اور پھر اسی کے ہاتھ میں سارے ملک کی سیاسی طاقت بھی مرکو ز ہو گئی۔یہ ہے کمیونسٹ پارٹی کی ڈکٹیٹر شپ۔اب اگر روس میں بظاہر آپ یہ دیکھتے ہیں کہ جو لوگ اس پو ری معاشی،تمدنی اور سیاسی طاقت کو استعمال کر رہے ہیں وہ عام آبادی کے ووٹو ں ہی سے منتخب ہو ا کرتے ہیں تو کیا فی الواقع اس کے معنی جمہوریت کے ہیں؟سارے روس میں کس کی ہمت ہے کہ کمیونسٹ پا رٹی کے مقابلے میں دوٹ مانگنے کے لے اٹھ سکے ؟ اور اگر کو ئی جرات کرے بھی تو وہ سر زمین روس میں کھائے گا کہاں سے ؟ اور اپنی آواز اٹھائے گا کس پریس سے ؟ اور اپنی بات سنانے کے لیے ملک میں سفر کن ذرائع سے کرے گا؟ بلکہ یہ سب کرنے سے پہلےاس کو زندگی اور موت کا درمیانی فاصلہ طے کرنے میں دیر کتنی لگے گی؟ حقیقت یہ ہے کہ اجتماعی ملکیت کے نظام میں حکو مت کے پاس اپنی طاقت جمع ہو جاتی ہے جو تاریخ انسان میں کبھی کسی چنگیز اور ہلاکو اور زار اور قیصر کے پاس بھی جمع نہیں ہو ئی تھی۔جو گر وہ ایک دفعہ اس طاقت پر قابض ہو جائے پھر اس کے مقابلہ میں اہل ملک بالکل بے بس ہو جا تے ہیں۔کسی قسم کی بگڑی ہو ئی حکومت کو بدل دینا اس قدر مشکل نہیں ہے جس قدر ایک بگڑی ہو ئی اشتراکی حکو مت کو بدلنا مشکل ہے ۔

اس نظام حکومت میں برسر اقتدار پا رٹی ملک کی مجموعی زندگی کے لیے جو منصوبہ (plan)بناتی ہے اسے کا میابی کے ساتھ چلانے کے لیے وہ پریس کو ، ریڈیو کو ،سینما کو ، مدرسے کو ،پوری انتظامی مشینری کو اور پو رے ملک کے معاشی کاروبار کو ایک خاص نقشے کے مطابق استعمال کرتی ہے ۔اس منصوبے کی کا میابی کا انحصار ہی اس پر ہے کہ تمام ملک میں سوچنے اور رائے قائم کرنے اور فیصلہ کرنے والے دماغ صرف چند ہو ں جو مرکز میں بیٹھے منصوبہ بنا رہے ہیں ۔باقی سارا ملک صرف عملدرآمد کرنے والے دست و پا پر مشتمل ہو جو تعمیل ارشاد میں چوں چرا تک نہ کریں۔تنقید اور نکتہ چینی اور رائے زنی کرنے والوں کے لیے اس نظام میں جیل اور تختہ دار کے سوا اور کو ئی جگہ نہیں ہے ۔اور اگر ایسے دخل در معقولات دینے والے کو ملک بدر کر دیا جائے تو یہ گو یا اس کے ساتھ بڑی رعایت ہے ۔یہی وجہ ہے کہ روس میں خود کمیونسٹ پارٹی کے بڑے بڑے سربرآوردہ کا رکنوں اور لیڈروں تک کو جن کی محنتو ں اور قابلیتوں ہی کی بدولت اشتراکی تجربہ کامیابی کی منزل تک پہنچا،موت اور حبس ددام اور جلا وطنی کی سزائیں دے ڈالی گئيں۔صرف اس لیے کہ انہوں نے برسر اقتدار گروہ سے اختلاف کی جرات کی تھی۔پھر یہ اشتراکی اخلاقیات کا طرفہ تماشا ہے کہ جس کو بھی اختلاف کے جرم میں پکڑا گیا اس پر طرح طرح کے الزامات بے تحاشا لگا دئیے گئے اور اشتراکی عدالتوں میں بھی یہ ایک حیرت انگیز کرامت پائی جاتی ہے کہ برسر اقتدار پا رٹی جس کو بھی ان کے سامنے ملزموں کے کٹہرے میں لا کھڑا کرتی ہے وہ استغاثے کے عین منشا کے مطابق اپنے جرائم کی فہرست خود ہی فر فر سنا تا چلا جا تا ہے اور کچھ دبی زبان سے نہیں بلکہ پو رے زور شور کے ساتھ اعتراف کرتا ہے کہ وہ بڑا غدار اور سرما یہ داروں کا ایجنٹ،اور روس کی آستین کا سانپ ہے !پھر چونکہ یہ نظام انفرادی ملکیتو ں اور مذ ہبی طبقوں کو زبردستی کچل کر قا ئم کیا گیا ہے اور ابھی وہ سب دنیا سے اور خود روس کی سر زمین سے مٹ نہیں گئے ہیں جن کے جذبات و حسیات اور حقوق کی قبر پر یہ قصر تعمیر ہو ا ہے اس لیے کمیونسٹ پارٹی کی ڈکٹیٹر شپ کو ہر وقت روس میں جوابی انقلاب کا خطرہ لگا رہتا ہے ۔علاوہ برین اشتراکی حضرات یہ بھی خوب جانتے ہیں کہ ان کے انکار کے باوجو د انسا نی فطرت نام کی ایک چیز موجو د ہے جو انفرادی نفع طلبی کاجذ بہ رکھتی ہے ،اور وہ ہر وقت زور لگا رہی ہے کہ پھر انفرادی ملکیت کا نظام واپس آ جا ئے ۔انہی وجو دہ سے ایک طرف کمیونسٹ پا رٹی خو د اپنے نظام کو آئے دن "جلاب " دیتی رہتی ہے تا کہ جن لو گو ں میں"رجعت "کی ذ را سی بو بھی پا ئی جائے انہیں صاف کیا جاتا رہے ۔[ صفائی " کا عمل اب تک کمیونسٹ پا رٹی کے لاکھوں ممبروں پر ہو چکا ہے ۔روس میں اس عمل کے معنی صرف یہی نہیں ہیں کہ ایک آدمی جو پارٹی کی رکنیت کے لیے موزوں نہیں ہے اسے پار ٹی سے نکال دیا جائے ،بلکہ اس عمل اخراج کے بعد شاذونادر ہی کو ئی خوش قسمت آدمی روسی خفیہ پو لیس کے عذاب خانوں) torture-chambers (میں جانے سے بچ سکا ہے اور ان عذاب خانوں سے باہر نکلنے کا راستہ بالعموم یا تو قبرستان کی طرف جاتا ہے یا پھر ان انسانی باڑوں (concentration camps)کی طرف جہاں جیتے جی آدمی کو جہنم کامزا چکھایا جا تا ہے ۔] اور دوسری طرف پا رٹی کی حکومت سارے ملک میں جوابی انقلاب کے خطرات،امکانات ،بلکہ شہبات اور وہم وگمان تک مٹا دینے کے لیے ہر وقت تلی ر ہتی ہے ۔اس نے جاسوسی کا ایک وسیع نظام قائم کر رکھا ہے جس کے لیے بے شمار کارکن ہر ادارے ،ہر گھر اور ہر مجمع میں "رجعت پسندوں " کو سو نگھتے پھرتے ہیں۔اس جا سوسی کے پر اسرارجال نے شوہروں اور بیویوں تک کے درمیان شک وشبہ کی دیوار حائل کر دی ہے ۔حتی کہ ماں باپ کے خلاف خود ان کی اولاد تک سے جا سوسی کی خدمت لینے میں دریغ نہیں کیا گیا ہے ۔روس کی پو لیس اور سی آئی ڈی کا "محتاط "نظریہ یہ ہے کہ اگر بھول چوک سے چند سو یاچند ہزار بے گناہ آدمی پکڑے اور مار ڈالے جائیں تو یہ بہتر ہے کہ چند گنہگار چھوٹ جائیں اور ان کے ہاتھوں سے جوابی انقلاب برپا ہو جائے ۔اسی لیے وہ ہر فیکٹری ، ہر دکان، ہر دفتر اور ہر ادارے میں دیکھتے رہتے ہیں کہ کون سا مزدور یا کارکن ملک کے یا خود اپنے ادارے کے انتظام پرناک بھوں چڑھاتا ہے یا کسی قسم کی بے اطمینانی کا اظہار کرتا ہے ۔اس طرح کا کو ئی فعل کرنا تو درکنار،جس پر شبہ ہو جائے کہ وہ ایسے جراثیم رکھتا ہے وہ بھی اچانک گرفتار کر لیا جاتا ہے ۔چونکہ یہ آئے دن کا معمول ہے اس لیے جب کو ‏ئی کارکن رات کر اپنے گھر نہیں پہنچتا تو اس کی بیوی خود ہی سمجھتی ہے کہ پکڑا گیا۔دوسرے دن وہ اس کی ضرورت کی چیزیں آپ ہی آپ پولیس کے دفترپہنچانی شروع کر دیتی ہے اور ان کاقبول کرلیا جا نا یہ معنی رکھتا ہے کہ اس کا قیاس صحیح تھا۔وہ کو ئی سوال کرے تو دفتر کیطرف سے اسے کوئی جواب نہیں ملتا۔ایک روز یکا یک ایسا ہو تا ہے کہ اس کا بھیجا ہو ا پارسل واپس آ جاتا ہے ۔بس یہی اس امر کی اطلاع ہے کہ اس کا خاوند لینن کو پیارا ہو ا۔اب اگر وہ نیک بخت خود بھی اسی انجام سے دوچار ہو نا نہ چاہتی ہو تو اس کا فرض ہے کہ ایک اچھی کا مریڈنی کی طرح اس معاملہ کی بھاپ تک نہ منہ سے نکالے اور دوسرا کو ئی ایسا خاوند ڈ ھونڈے جو "رجعت پسندی" کے شبہ سے با لا تر ہو ۔

یہ ہے وہ قیمت جو دو و قت کی روٹی اور برے وقت کی دستگیر ی کے لیے اشتراکی روس کے با شندوں کو ادا کرنا پڑ رہی ہے ۔کیا واقع اس قیمت پر یا سود اسستا ہے ؟بلا شبہ ایک فا قہ کش آدمی بسا اوقات بھوک کی شدت سے اتنا مغلوب ہو جاتا ہے کہ وہ جیل کی زندگی کو اپنی مصیبت بھری آزادی پر ترجیح دینے لگتا ہے۔صرف اس لیےکہ وہاں کم از کم دو وقت کی روٹی،تن ڈھا نکنے کو کپڑا اور سر چھپانے کو جگہ تو نصیب ہو گی ۔مگر کیا اب پوری نو ع انسانی کے لیے فی الوقع یہ مسئلہ پیدا ہو گیا ہے کہ اسے روٹی اور آزادی دونوں ایک ساتھ نہیں مل سکتیں؟ کیا روٹی ملنے کی اب یہی ایک صورت با قی وہ گئ ہے کہ ساری روئے زمین ایک جیل خانہ ہو اور چند کا مریڈز اس کے جیلر اور وارڈر ہوں؟

# رد عمل

روس میں اشتراکیت نے اپنا نظام قائم کرنے کے لیے جتنے بڑے پیمانے پر ۔جیسے سخت ہو لناک ظلم کیے ،اور پھر اس انقلاب کی کامیابی نے دنیا کے ہر ملک میں طبقاتی جنگ کی سلگتی ہو ئی آگ پر جو تیل چھڑکا، اس نے تمام غیر اشتراکی ممالک کے اہل فکر کو یہ سوچنے پر مجبور کردیا کہ وہ بے قید معیشت کے اصولوں اور طریقوں میں کیا ترمیم کریں جس سے محنت پیشہ طبقوں کی شکایات رفع ہوں اوران کا ملک اشتراکی انقلاب کے خطرے میں پڑ نے سے بچ جائے ۔اگر چہ بے قید معیشت کی برائیاں اسی وقت سے نمایاں ہو نی شروع ہو گئی تھیں جب سے جدید سرمایہ داری کا نظام قائم ہو ا۔اس پر تنقید برابر ہو تی رہی۔اس میں سطحی اورجزوی اصلاحات بھی کچھ نہ کچھ ہو تی رہیں۔لیکن تغیر ،ترمیم اور اصلاح کی ضرورت کا حقیقی احساس روسی اشتراکیت کے عمل،اثرات اور نتائج کو دیکھ کر ہی پیدا ہو ا،اور اس رد عمل نے نظام سرمایہ داری کے دو بڑے بڑے علاقوں میں دو مختلف صورتیں اختیار کیں۔

جن قوموں کے نظام زندگی کو جنگ عظیم اول نے بری طرح درہم برہم کر دیا تھا اور جنہیں اشتراکیت کی بھڑکائی ہو ئی طبقاتی جنگ سے کا مل تباہی کا خطرہ لاحق ہو گیا تھا،اور جن کی سر زمین میں جمہوریت کی جڑیں کچھ مضبو ط بھی نہ تھیں۔ان کے ہاں فاشزم اور نازی ازم نے جنم لیا۔

جن قوموں میں جمہوریت مضبوط بنیادوں پر قائم تھی اور جن کےنظام زندگی میں جنگ نے کچھ بہت زیادہ خلل بھی نہیں ڈالا تھا انھوں نے اپنی پرانی وسیع المشرب جمہوری سر مایہ داری کو اس کی نظری بنیادوں پر قائم رکھتے ہو ئے صرف اس کی"بے قیدی" میں ایسی اصلاحات کرنے کی کو شش کی جس سے اس کے نقصانات دور ہو جائیں۔

## فاشزم اور نازی ازم

اشتراکی حضرات کی با لعموم اٹلی کی فاشی اور جرمنی کی نازی تحریک کو سرمایہ داری کی رجعت قرار دینے کی کوشش کرتے ہیں اور الزام رکھتے ہیں کہ بورژوا سرمایہ داروں نے اپنی بازی ہرتی دیکھ کر ہٹلر اور مسمولینی کو کھڑا کر دیا تھا۔لیکن یہ اصل حقیقت نہیں ہے ۔حقیقت یہ ہے کہ یہ لو گ کسی طبقے یا کسی مخصوص مفاد کے بد نیت ایجنٹ نہیں تھے ۔مارکس اور لینن ہی کی طرح کے لوگ تھے ۔ویسے ہی مخلص ،ویسے ہی ذہین،اور ویسے ہی کنج فہم ۔انہوں نے دیکھا کہ ایک طرف جنگ کی زبردست چوٹ نے ان کی قوم کو اس قدر بد حال کر دیا ہے کہ صدیوں کا قومی فخر ونازخاک میں ملا جاتا ہے ۔دوسری طرف بے قید معیشت کی اندرونی خرابیاں اور اشتراکیت کی اوپری انگیخت قوم کے مختلف عناصر کو آپس میں ہی ایک سخت خونریز اور غارتگر کشمکش میں مبتلا کیے دے رہی ہیں۔اس لیے انھوں نے ایسی تدبیریں سوچنی شروع کیں جن سے وہ طبقاتی اغراض کی اندرونی نزاع کو دور کرکے اپنی قومی وحدت کو پارہ پارہ ہو نے سے بھی بچا لیں اور اپنی قوم کی معاشی،تمدنی اور سیاسی

طاقت کو مضبوط کرکے ازسرنو اس کی عظمت کا سکہ بھی دنیا میں بیٹھا دیں۔لیکن وہ اور ان کے حامی اور پیرو،سب کے سب مغربی ذہین کی ان ساری کمزوریوں کے وارث تھے جنھیں ہم تاریخ میں مسلسل کار فرما دیکھتےچلے آرہے ہیں۔اپنے پیش رو مفکرین ومدبرین کی طرح انھوں نے بھی یہی کیا کہ چند صداقتوں کو لے کر ان کے اندر بہت سے مبالغے کی آمیزش کی ،چند صداقتوں کو ساتط کرکے ان کی جگہ چند حما قتیں رکھ دیں،اور اس ترکیب سےایک نیاغیر متوازن نظام زندگی بنا کھڑا کیا۔

آئیے اب ذرا اس مرکتب کا بھی جائزہ لے کر دیکھیں کہ اس میں صحیح اور غلط کی آمیزش کس طرح کس تناسب سے تھی اور اس کے نفع اور نقصان کی میزان کیا رہی۔اگرچہ جنگ عظیم دوم میں شکست کھا کر یہ دونوں تو ام بھائی بظاہر مر چکے ہیں،لیکن ان کی پھیلائی ہو ئی بہت سی بد عتیں بدلے ہو ئے ناموں سے مختلف ملکوں میں اب بھی موجود ہیں اور خود ہمارا ملک بھی ان بلاؤں سے محفوظ نہیں ہے ۔اس لیے فاشیت اور نازیت کے اجزاء صالح اور اجزاء فاسد کی نشاندہی اب بھی اتنی ہی ضروری ہے جتنی جنگ سے پہلے تھی۔

## صحیح اور مفید کام

فا شی اور نازی حضرات اشترا کیوں کے اس خیال کو در کر دینے میں بالکل حق بجانب تھے کہ ایک معاشرے اور ایک قوم کے زمیندار وسرمایہ دار طبقات اور محنت پیشہ طبقات کے درمیان صحیح اور فطری تعلق صرف نفرت،عناد اور جنگ ہی کا تعلق ہے ۔ان کا یہ خیال بلکل صحیح تھا کہ اصل چیز طبقہ نہیں بلکہ معاشرہ اور قوم ہے جس کے مختلف اجزاء واعنصاء اپنے مجمویہ کے لیے مختلف خدمات انجام دیتے ہیں۔ان کے درمیان حقیقی تعلق دشمنی اور جنگ اور پیکار کا نہیں بلکہ موافقت اور تعاون اور تعابل کا ہے ۔ ان کا کام یہ ہے کہ سب مل کر سب کے لیے اشیائے ضرورت پیدا کریں اور اجتماعی پیداوار کو بڑھا کر قومی دولت اور طاقت میں اضافہ کر یں۔اس مو ا فقت اور تعاون میں اگر کوئی کمی یا خلل ہو تو اسے دور کرنا چاہیے ۔نزاع اور اختلاف ہو تو اسے رفع ہو نا چاہیے ۔نہ کہ وہ بڑھے اور ایک ہی معاشرے کے اجزاء ایک دوسرے کو فنا کر دینے پر تل جائیں۔

انھوں نے اشتراکیت کے اس نظر یہ کو بھی بجا طور پر رد کر دیا کہ اجتماعی مفاد کے لیے انفرادی ملکیت اور ذاتی نفع طلبی بجائے خود کو ئی نقصان دہ چیز ہے جسے ختم ہو جانا چاہیے ۔ان کا یہ خیال بالکل صحیح تھا کہ یہ دونوں چیزیں خود اجتماعی مفاد ہی کے لیے مفید اور ضروری ہیں۔بشرطیکہ یہ بے قید معیشت کی طرح غیر محدور نہ ہو ں بلکہ کچھ حدود کے ساتھ محدود کر دی جائیں۔انھوں نے کہا کہ افراد کو اپنے نفع کے لیے جدوجہد کرنے کا حق تو ضرور ہے مگر اس حق کا استعمال اجتماعی مفاد کے تحت اور اس کے مطابق ہو نا چاہیے نہ کہ اس کے خلاف ۔مرکزی مالیات ( high finance) معدنیات،جہاز سازی و جہاز رانی،سامان جنگ کی صنعت اور ایسے ہی دوسرے بڑے کاروبار(big business) انفرادی ملکیت میں نہ رہنے چاہییں ۔ ایسے اجاروں کو بھی ختم ہو نا چاہیے جن میں اجتماعی مفاد کو شخصی مفاد پر قربان کیا گیا ہو ۔تجارت میں سے سٹے کو قطعی بند ہو نا چاہیے ۔قرض و استقر اض کے نظام میں سے سود کو با لکل ساقط ہو جانا چاہیے ۔[ اگر چہ یہ لوگ سود کو عملا ًبند نہ کر سکے ،اور خود اسٹیٹ نے قرض لے کر اس پر سود ادا کیا،لیکن نازی اور فاشی دونوں سود کو برا جانتے تھے اور اسے بند کرنے کے قائل تھے ۔ کہ خواہ مخواہ اسے دشمن جما عت قرار دیا جائے ؟] اور کا روبار کو ایسے قواعد وضوابط کا پا بند ہونا چاہیے جو اس سے تعلق رکھنے والے لو گو ں کے مفاد سے مطابقت رکھتے ہوں نہ کہ صرف ایک گروہ کے مفاد سے ۔اس کے بعد اگر کارخانہ دار قیمتیں مناسب رکھتا ہے ، مال اچھا تیار کرتا ہے ، اپنے مزدوروں کو خوشحال اور خوشدل رکھتا ہے ،اپنی صنعت کو تر قی دینے کی کوشش کرتا رہتا ہے اور اپنی ان خدمات کے معا وضے میں جائز حدود کے اندر رہ کر منا فع لیتا ہے تو وہ آخر کس جر م کا مرتکب ہے

انھوں نے اپنی وسیع المشربی کے اس نظریہ کو بھی بالکل بجا طور پر رد کر دیا کہ حکومت صرف پو لیس اور عدالت کے فر ا ئض انجام دے اور معاشی زندگی کے کا روبا ر سے کچھ غرض نہ رکھے ۔ انھوں نے کہا قومی معیشت کے مختلف عناصر کے درمیان ہم آہنگی اور توافق اور تعاون پیدا کرنا اور نزاع و کشمکش کے اسباب کو دور کرنا قومی ریاست کے فرائض میں سے ہے ۔انھوں نے ایک طرف ہڑتال کو اور دوسری طرف کا رخانے بند کرنے کو ازروئے قانون ممنوع ٹھیرایا۔ اجیروں اور مستاجروں کی مشترک کو نسلیں بنائیں۔ان کے درمیان حقوق و فرائض انصاف کے ساتھ مقرر کرنے کی کوشش کی اور ان کے جھگڑوں کو چکانے کے لیے با ہمی گفت و شنید،پھر پنچا یت اور با لآخر عدالتی فیصلہ کا ایک با قاعدہ نظام مقرر کر دیا۔

انھوں نے سرمایہ داری نظام کی اس خرابی کو دور کرنے کی کوشش کی کہ جو لوگ بیکار ہو تے ہیں یا ناکارہ ہو جاتے ہیں کن کی خبر گیری کا کو ئی ذمہ دار نہیں ہو تا۔اس طرح بے وسیلہ لو گوں کو بے سہارا چھوڑ دینے کے جو نقصانا ت ہو سکتے ہیں،نا زیوں اور فاشیوں نے ان کو محسوس کیا اور بہت وسیع پیمانےپر سوشل انشو رنس کا اہتمام کیا جس کے ذریعہ سے بیماری،بڑھاپے ،بیکاری اور حادثات کی صورت میں کا رکنوں کو مدد دی جاتی تھی۔ نیز انھوں نے ماؤں اور بچوں کی نگہداشت ،فلاح اطفال،اپاہجوں اور معذوروں کی خبر گیری،جنگ میں نا کا رہ ہو جا نے والوں کی امداد ،لا وارث بوڑھوں کی دیکھ بھال اور ایسے ہی دوسرے امور خیر یہ کے لیے عظیم الشان ادارے قائم کیے ۔ جنگ سے پہلے جرمنی میں اس طرح کا جو ادارہ قائم تھا اس نے تقریبا 50لاکھ افراد کو سنبھال رکھا تھا۔

انھوں نے بے قید معیشت کے اس عیب کو دور کرنے کی طرف بھی توجہ کی کہ سارا معاشی کا روبار بغیر کسی نقشے اور منصوبے اور ہم آہنگی کے چلتا رہتا ہے اور اس کی وجہ سے معاشی وسائل پو ری طرح سے استعمال نہیں ہو تے اور جتنے کچھ استعمال ہو تے ہیں ان میں تو ازن نہیں ہو تا۔اس خرابی کو دور کرنے کے لیے انھوں نے قومی معیشت کی رہنمائی اور تنظیم وتو فیق (co-ordination)کا کام ریاست کے ہاتھ میں لے لیا،معاشی زندگی کے تمام شعبوں کی کو نسلیں بنائیں،اور ایک مضبوط اور منظم طریقے سے پیداوار کے وسائل اورقوتوں کو استعمال کرنے کی کوشش کی ۔اس طرح انھوں نے بے روزگاری کا خاتمہ کر دیا ۔[**1933ءمیں جب نازی پارٹی برسر اقتدار آئی تھی تو جرمنی میں تقریبا80لاکھ آدمی بے کا ر تھے مگر چند سال بعد یہ نوبت آگئی کہ کہ جرمنی کو کا رکنوں کی کمی کا شکوہ تھا۔**] پیداوار میں حیرت انگیز اضا فہ کیا اور مختلف شعبوں میں ہموار ترقی کی۔

## حماقتیں اور نقصانات

یہ تھیں فا شیت اور نازیت کی برکات۔مگر ان برکات کے لیے اٹلی اور جرمنی کو کیا قیمت دینی پڑی؟

نازی اور فاشی حضرات نے طبقاتی منافرت کے افتراق انگیز اثرات کا مداوا قوم پرستی کی شراب سے نسلی فخر و غرور کے جنون سے ، دوسری قوموں کے خلاف نفرت اور غیظ و غضب کے اشتعال سے اور عالمگیری و جہاں کشائی کے جذبات سے کیا جس کا انجام کبھی کسی قوم کے حق میں بھی اچھا نہیں ہو ا ہے ۔ قوموں کا صحیح نشو ونما اور اٹھان اگر ہو سکتا ہے تو صرف تعمیری اخلا قیات اور ایک صالح نصب العین ہی کے بل پر ہو سکتا ہے ۔جو لیڈر اس طریقہ کو چھوڑ کر قومیت کے استحکام و ترمی کے لیے نفرت اور خطرے اور اشتعال ہی کو مستقل وسا ئل کے طور پر استعمال کرنے لگتے ہیں وہ اپنی قوم کا مزاج بگاڑ د یتے ہیں اور ایسے ذرائع ذرائع سے اٹھی ہو ئی قوم ایک نہ ایک دن بری طرح ٹھوکر کھا کر گرتی ہے ۔

انھوں نے اپنی قوم کی بھلائی کے لیے معاشی و تمدنی اصلاح کا جو پروگرام بنایا اس کو سیدھے سیدھے معقول طریقے سے نافذ کرنے کے بجائے ایک نہایت لغو اجتماعی وسیاسی فلسفہ گھڑا جو بے شمار مبالغہ آفر ینیوں اور علمی حماقتوں کا مرکب تھا۔انھوں نے پہلے یہ مقدمہ قائم کیا کہ" فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں"۔ پھر اس پر یہ ردا چڑھایا کہ ربط ملت میں جو فرد شامل نہیں ہو تا یا اس ربط کے قیام میں مانع ہو تا ہے اسے واقعی کچھ نہ رہنا چا ہیے ۔اس کے بعد استدلال کی عمارت یو ں کھڑی کی کہ ربط ملت کا اصل مظہر ہے قومی ریاست۔اور قومی ریا ست کے ضبط و استحکام کا انحصار ہے اس پارٹی پر جو قومی وحدت اور ترقی کا یہ پروگرام لے کر اٹھی ہے لہذا "جرمن ہے تو نازی پارٹی میں آ" اور "اٹالین ہے تو فاشست ہو جا۔" اس طرح قوم اور ریاست اور حکومت اور حکمران پارٹی کو ایک ہی چیز بنا ڈالا گیا۔ہر اس شخص کو قوم اور قومی ریاست کا دشمن قرار دے دیا گیا جس نے بر سر اقتدار پارٹی سے کسی معاملہ میں اختلاف کی جرات کی۔تنقید اور بحث اور آزادی رائے کو ایک خطرناک چیز بنا دیا گیا۔ایک پا رٹی کے سوا ملک میں کو ئی دوسری پا رٹی زندہ نہ رہنے دی گئی۔انتخابات محض ایک کھیل بن کے رہ گئے۔قوم کے دماغ پر ہر طرف سے مکمل احاطہ کرنے کے لیے پر یس ، ریڈیو، درسگاہ ،آرٹ ،لیٹر یچر اور تھیٹر کو بالکل حکمران پارٹی کے قبضہ میں لے لیا گیا تا کہ قوم کے کا نوں میں ایک آواز کے سواکوئی دوسری آواز پہنچنے نہ پائے ۔یہی نہیں بلکہ ایسی تدبیریں اختیار کی گئیں کہ اول تو غا لب پارٹی کی رائے کے سوا کو ئی رائے دماغوںمیں پیدا ہی نہ ہو ، اور اگر کچھ نا لا ئق دماغ ایسے نکل آئیں جو خدا وند ان ملت کے خیالات سے مختلف خیالا ت رکھتے ہو ں تو یا تو ان کے خیالات ان کے دماغ ہی میں دفن رہیں یا پھر ان کے دماغ زمین میں دفن ہو جائیں۔

انھوں نے بظاہر یہ بڑا ہی معقول سا نظریہ اختیار کیا کہ اجتماعی زندگی میں کو ئی مرکزی منصوبہ بندی نہ ہونے کی وجہ انتشار،بد نظمی اور با ہمی کشمکش بھی پیدا ہو تی ہے اور مجموعی طور پر طا قت اور ذرائع کا ضیاع بھی بہت بڑے پیمانے پر ہو تا ہے ۔ لہذا پو ری قومی زندگی کو منظم ہو نا چاہیے ۔اور ایک مرکزی حکم کے تحت ایک مرکزی طاقت کے مقرر کیے ہو ئے نقشے پر تمام افراد کو بالکل ایک مشین کے پرزوں کی طرح با قاعدہ کا م کرنا چا ہیے ۔انھوں نے خیال کیا کہ پیداوار اور ترقی اور خوشحالی کو تیز رفتاری کے ساتھ آگے بڑھانے کی یہی صورت ہے ۔چنانچہ اس نظریہ کے مطابق انھوں نے سارے ملک کی زندگی کو اس کے تمام معاشی ،تمدنی،مذہبی۔تہذیبی اور سیاسی پہلوؤں سمیت ایک ضا بطے میں کس ڈالا اور ایک لگے بندھے منصوبے پر چلا نا شروع کر دیا۔ان کے نظام زندگی میں سب کچھ مقرر تھا۔ہر شخص اور ہر ادارے کا کام مقرر، اجرتیں مقرر،قیمتیں مقرر،حقوق اور فرائض مقرر۔قوتوں اور قابلیتوں کے استعمال کی صو رتیں مقرر۔سرمائے اور وسائل وذرائع کے مصرف مقرر ، حتی کہ فکر و خیال اور جذبات و رجحانات کی راہیں تک مقرر۔اور ان سب کے لیے کئی کئی سال کے پروگرام مقرر۔اب یہ ظاہر ہے کہ جن لو گوں نے محض قوم کی خاطر اتنی تکلیفیں اٹھا کر اور مغزز نی کرکے پو ری قومی زندگی کے اتنے بڑے پیمانے پر منصوبہ بندی کی ہو ۔ وہ بھلا کیسے برداشت کر لیتے کہ ایک شخص اٹھے اور ان پر تنقید کر کے دماغوں میں انتشار پھیلائے ، جن کارکنوں کو کام میں منہمک ہو نا چاہیے انہیں بحث میں الجھا دے ، اور اتنی محنت سے بنائے ہو ئے منصوبے پر سے عوام الناس کا اطمینان اور اعتماد ختم کر دے ۔پس یہ" منصوبہ بند"زندگی کی اندرونی منطق ہی کا تقاضا تھا جس کی بنا پر وہ تنقید اور رائے زنی کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہ تھے اور اس بات پر مصر تھے کہ جس کو بولنا ہو وہ ہمارے پروگرام کی موافقت میں بو لے ورنہ اپنا منہ بند رکھے ۔

منصوبہ بندی ہو گی تو زبان بندی اور خیال بندی بھی ضرور ہو گی۔اختلاف رائے بند ،بحث بند ،تنقید بند،مواخذہ اور احتساب بند ،بلکہ چند خاص دماغوں کے سوا ساری قوم کے دماغوں کا سوچنا بھی بند۔

یہاں پھر وہی سوال پیدا ہو تا ہے کہ نازی اور فاشی مسلک جو کچھ دیتے ہیں کیا وہ اس قیمت پر لینے کے قابل ہے ؟ ساری قوم میں چند انسان تو ہو ں انسان،اورباقی سب بن کر رہیں مویشی، بلکہ ایک مشین کے بے جان پرزے ۔اس قیمت پر یہ اطمینان ہو تا ہے کہ سب کو چارہ برابر ملتا رہے گا!

## نظام سرمایہ داری کی اندرونی اصلاحات

اب ہمیں ایک نظریہ بھی دیکھ لینا چاہیے کہ جن مما لک میں وسیع المشرب جمہوریت کی جڑیں مضبوط تھیں۔انھوں نے نظام سرمایہ داری کو اس کی اصل بنیادوں پر قائم رکھتے ہو ئے اس کے اندر کس قسم کی اصلاحات کیں اور اس سے کیا نتائج برآمد ہو ئے ۔

جیسا کہ ہم پہلے اشارہ کر چکے ہیں،اٹھا رویں صدی میں بورژوا طبقہ ایک طرف اپنے معاشی مفاد کے لیے بے قید معیشت کے اصول پیش کر رہا تھا اور دوسری طرف یہی طبقہ اپنے سیاسی مفاد کے لیے جمہوریت،مساوات اور حاکمیت عوام کا صور پھونک رہا تھا،آزادی رائے ،آزادی ضمیر،آزادی تقریر اور آزادی اجتماع کے حقوق کامطالبہ کر رہا تھا، حتی کہ اس بات پر بھی زور دے رہا تھا کہ نا قابل برداشت جبر کے مقابلہ میں رعایا کو حکو مت کے خلاف بغاوت کرنے کا حق ہے ۔ابتدا میں جب یہ لوگ ان نظریات کو پیش کر رہے تھے تو ان کے پیش نظر شاہی خا ندان، مالک زمین اور ارباب کلیسا تھے ۔سامنے وہ ان کو دیکھتے تھے اور مقابل میں صرف اپنے آپ کو پاتے تھے اس لیے ان کو با لکل یہ محسوس نہ ہو ا کہ وہ ایک طرف جس بے قید انفرا دیت پر معاشی نظام کی عمارت جس جمہوریت اور تمدنی مساوات پر تعمیر کر رہے ہیں، یہ دونوں کبھی ایک دوسرے کی ضد ثابت ہوں گی اور آپس میں ایک دوسرے سے متصا دم ہو جائیں گی۔

جب ان کی جدو جہد سے نئے جمہوری نظام نے مختلف ممالک میں جنم لینا شروع کیا اور دوٹ کا حق مالکان زمین سے گزر کرتا جروں،کارخانہ داروں اور ساہو کاروں تک وسیع ہو ا تو پھر یہ ممکن نہ رہا کہ کسی دلیل سے اس کو مزدورں اور کا شتکاروں اور محنت پیشہ عوام تک پہنچے سے روکا جاسکے ۔بورژوا حضرات نے اسے روکنے کی بہت کو شش کی ۔لیکن ان کی اپنی ہی منطق ان کے خلاف کا م کرنے لگی، یہاں تک کہ آہستہ آہستہ ان کو اسی طرح عوام کا حق رائے دہی تسلیم کرنا پڑا جس طرح پہلے مالکان زمین کو خود ان کا حق ماننا پڑا تھا۔ پھر کسی دلیل سے یہ با ت بھی معقو ل ثابت نہ کی جا سکتی تھی کہ مستاجروں کے لیے تو اپنی شرائط متحدہ طاقت سے اجیروں پر عائد کریں مگر اجیر اپنی جماعت کے زور سے اپنی شرائط منوانے کے مجاز نہ ہو ں۔اس طرح رفتہ رفتہ مزدوروں اور ملازموں کا یہ حق بھی تسلیم کر لیا گیا کہ وہ اپنی انجمنیں بنائیں، اکیلے اکیلے نہیں بلکہ مجموعی طاقت سے اجر تو ں اور تنخوا ہوں اور شرائط کار کے لیے سود اچکائیں،اپنی شکا یات رفع کرانے کے لیے ہڑتال کا حربہ استعمال کریں اور ہڑتا ل کو کامیاب بنانے کے لیے پہرہ لگائیں۔

انیسویں صدی کے خاتمہ کے ساتھ سیا ست کا یہ پرانا نظریہ بھی ختم ہو نے لگا کہ ریا ست کا کا م فقط شخصی آزادیوں کی حفاظت ہے اور قومی زندگی میں ریا ست کے ایجا بی فرائض کچھ بھی نہیں ہیں۔اب اس کی جگہ یہ احساس خود بخود ابھرنا شروع ہو ا کہ ایک جمہوری ریاست تو خود با شندگان ملک ہی کی متفقہ مظہر کی لہر ہو تی ہے اور جمہور اپنی ہی سیا سی طاقت کو ریا ست کی شکل میں مر تکز اور منظم کرتے ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ پرانی شاہی حکو متوں کی طرح اب جمہوری حکومت کے دائرہ عمل کو بھی محدود رکھنے پر اصرار کیا جائے ۔جمہوری حکومت کے فرائض محض سلبی نہ ہو نے چاہییں بلکہ اسے ایجا بی طور پو اجتماعی مفاد کے لیے کام کرنا چاہیے اور اگر معاشرے میں بے اضا فیاں پائی جاتی ہوں تو قانون سازی اور انتظامی مداخلت، دونوں کے ذریعہ سے اس کو ان کا تدارک کونا چاہیے ۔

حالات یہاں تک پہنچ چکے تھے کہ یکا یک جنگ عظیم اول پیش آ گئی ،پھر روس میں وہ اشتراکی انقلاب بر پا ہو ا جس نے بو رژوا طبقہ کے زن بچے تک کو کو لہو میں پیل دیا،پھر جرمنی اور اٹلی میں اے کا رد عمل فا شیت اور نازیت کی شکل میں رونما ہو ا جس نے بو رژوا اور محنت پیشہ عو ام ، سب کو ایک سخت جا برا نہ نظام میں کس دیا۔ ان واقعات نے سرمایہ داری کو اچھا خاصا " روشن خیال " بنا دیا اور وہ کچھ تو عوام کی بڑھتی ہو ئی طاقت کے دباؤ سے ، اور کچھ اپنی مر ضی سے پرانی بے قید معیشت کے نظام میں حسب ذیل تغیرات قبول کر تی چلی گئی۔

1. ہر شعبہ معیشت میں مزدوروں اور ملازموں کی ایسی تنظیمات کو با قا عدہ تسلیم کر لیا گیا ہے جو ان کی طرف سے با ت کرنے کی مجاز ہیں۔اس کے ساتھ ایک حد تک رسمی یا قانونی طور پر بعض ایسی عملی تد بیروں کو بھی جائز و معقول مان لیا گیا ہے جنہیں مزدوروں اور ملازموں کی انجمنیں اپنے مطالبات منوانے اور ان کی خاطر دبا ؤ ڈا لنے کے لیے استعمال کر سکتی ہیں۔ اس طرح اگر چہ سر مایہ ومحنت کی کشمکش ختم تو نہیں ہو ئی، لیکن محنت اب سرمایہ کے مقابلے میں اتنی بے بس بھی نہیں رہی ہے جتنی بے قید معیشت کے دور میں تھی۔
2. اجرتو ں میں اضا فہ،اوقات کا ر میں کمی، کا م کرنے کے حالات میں نرمی، عورتو ں اور بچو ں سے محنت لینے پر پا بندی، مزدورں کی جان اور صحت کی نسبتا زیا دہ پروا،اس کے گھر اور ماحو ل کو پہلے سے بہتر بنا نے کی کو شش ،جسمانی نقصان پہنچ جا نے کی صورت میں اس کی کچھ نہ کچھ تلافی،اور پھر سوشل انشورنس کی بھی بعض اسکیموں کی تر ویج، یہ سب کچھ اگر چہ اس حد تک نہ ہو ا جتنا ہو نا چاہیے تھا،لیکن بہر حال اب مزدورں اور نچلے طبقے کے ملازموں کا حال اتنا خراب بھی نہیں ہے جتنا پہلے تھا۔
3. حکومت کی یہ حیثیت تسلیم کر لی گئی ہے کہ وہ محنت اور سرمایہ کے دومیان حکم بنے ۔نیز ان کی باہمی کشمکش کو دور کرنے اور ان کے جھگڑے چکانے کی مختلف قانونی صورتیں بھی مقرر کر دی گئی ہیں ۔ یہ چیز اگر چہ اس حد تک نہیں پہنچی ہے کہ ہر شعبہ معیشت میں اجیر اور مستا جر کے درمیان حقوق وفرائض کا منصفانہ تعین کر دیا جائے اور ابھی معاشی نزاعات میں عدالتی فیصلہ دینے کا کام بھی حکومت نے پو ری طرح سے اپنے ہا تھ میں نہیں لیا ہے ،لیکن اصولا حکومت کا یہ منصب تسلیم کر لیا گیا ہے ۔
4. یہ اصول بھی مان لیا گیا ہے کہ انفرادی نفع اندوزی پر ایسی پا بندیا ں عا ئد ہو نی چاہییں جن سے وہ اجتما عی مفاد کے خلاف نہ ہو نے پائے ، اور یہ کہ ایسی پا بندیاں عائد کرنا حکو مت ہی کے فرائض میں سے ہے ۔
5. بعض ایسی معاشی خدمات کو اکثر حکو متو ں نے خود اپنے ہا تھ میں لے لیا ہے ،جو یا تو انفرادی کاروبا ر کے بس کی نہیں ہیں،یا جنہیں افراد کے قبضہ میں دنیا مجموعی مفاد کے خلاف ہے ۔مثلا ڈاک اور تار اور وسائل حمل و نقل کا انتظام ۔سڑکو ں اور شا ہراہو ں کی تعمیر او ر ان کی درست حا لت میں رکھنا۔جنگلا ت کی پر داخت اور ان کا نظم و نسق۔آب رسا ئی اور آب پا شی ۔ بر ق آبی کی پیدائش اور تقسیم ۔روپے کا کنٹرول،اس کے علاوہ حکو متوں نے عموما معدنیات کو بھی اپنے اجارے میں لے لیا ہے اور بعض بڑی بڑی صنعتوں کو اپنے انتطام میں چلا نا شروع کر دیا ہے ۔
6. تھوڑی تھوڑی آمدنیاں رکھنے والے ملازموں اور مزدوروں کے لیے ایسے مواقع پیدا کر دئیے ہیں کہ وہ تھوڑا تھوڑا پس انداز کر کے تجارتی اور صنعتی کمپنیوں میں کم قیمت کے حصے خرید لیں اور بعض ایسی صو رتیں بھی اختیار کر لی گئی ہیں کہ خاص خاص قوائد کے مطابق ملازموں اور مزدوروں کی اجر تو ں کا ایک حصہ ان کو نقد ملتا جا تا ہے اور ایک حصہ ان کی طرف سے کمپنی کے سر مایہ میں شریک ہو تا جا تا ہے ۔اس طرح بکثرت محنت پیشہ کا رکن اس کمپنی یا کا ر پو ریشن کی ملکیت میں حصہ دار بھی ہو گئے ہین جن کے اندر وہ مزدوری یا ملازمت کر رہے ہیں ۔ بعض بڑے بڑے مشہور کا رخانوں میں 80 فی صدی اور90 فی صدی مز دور اور ملازم شریک ملکیت ہو چکے ہیں اور اقساط پر حصے خر یدنے کی آسا نیاں حا صل ہو نے کی وجہ سے کا رخانوں میں ان کی حصہ داری کا تنا سب برابر بڑھتا جا رہا ہے

## وہ خرابیاں جو اب تک نظام سرمایہ داری میں با قی ہیں

لیکن ان تمام تغیرات، تر میمات اور اصلاحات کے با وجو د ابھی تک نظام سرمایہ داری کے بنیادی عیوب جو ں کے تو ں با قی ہیں۔

ابھی تک بے روزگاری کا استیصال نہیں ہو سکا ہے ۔ بلکہ زمانہ جنگ کے سوا دوسرے تمام حالات میں یہ ایک مستقل مرض ہے جو نظام سرمایہ داری کے تحت سو سائٹی کو لگا رہتا ہے ۔ امریکہ جیسے ملک میں جس کی صنعت وحرفت اور پیداوار دولت آسمان کو پہنچی ہو ئی ہے ،جنگی مشاغل کم ہو تے ہی 32لاکھ سے زیادہ آدمی بیکار ہو گئے ۔اپریل و مئی 1949ء کے دومیان ان کی تعداد بڑھتے بڑھتے 35لاکھ سے اوپر ہو گئی،اور جون میں40 لاکھ تک جا پہنچی ۔تجارت وصنعت کی گرم بازاری کا زمانہ ہو یا سرد بازاری کا زمانہ،بے روزگاری،کم و بیش ہر حال میں،نظام سرمایہ داری کی جز ولا نیفک بنی رہتی ہے ۔

ابھی تک وہ عجیب و غریب معما جوں کا تو ں بے حل پڑا ہو ا ہے جس کی طرف ہم پہلے اشارہ کر چکے ہیں کہ ایک طرف تو کروڑ ہا انسان ضروریات زندگی کے حاجت مند اور اسباب عیش کے خواہش مند موجو د ہیں،بے حدو حساب قدرتی وسائل موجو د ہیں جنہیں استعمال کرکے مزید اشیا تیار کی جا سکتی ہیں،اور لکھو کھا آدمی ایسے مو جود ہیں جنہیں کام پر لگا یا جا سکتا ہے ،لیکن دوسری نظام سرمایہ داری دنیا کی ضرورت اور امکانی کھپت سے بہت کم جو مال تیار کر تا ہے وہ بھی با زار میں پڑا رہ جاتا ہے کیو نکہ لوگوں کے پاس اس کو خریدنے کے لیے روپیہ نہیں ہے اور جب تھوڑا مال ہی نہیں نکلتا تو مزید آدمیوں کو کام پر لگانے اور قدرتی وسائل کو استعمال کرنے کی ہمت نہیں کی جا سکتی ،اور جب آدمی کام پر ہی نہیں لگائے جاتے تو ان میں قوت خریداری پیدا ہو نے کی کو ئی صورت نہیں ۔

یہی نہیں بلکہ ابھی تک نظام سرمایہ داری کا یہ عیب بھی علی حالہ قائم ہے کہ ہر سال بہت بڑی مقدار میں تیار کیا ہو ا مال اور پیدا کیا ہو اغلہ اور پھل اور دوسرا سامان با زار میں لانے کی بجائے قصدا برباد کر دیا جاتا ہے ۔ورآنحا لیکہ کروڑوں آدمی ان اشیاء کے طالب موجو د ہو تے ہیں ۔سرمایہ دار ان چیزوں کو غارت کر دینا اور اس غارت گری پر لا کھوں دوپے صرف کر دینا زیا دہ پسند کرتا ہے ،بہ نسبت اس کے کہ انہیں با زار میں لا کر ان کی قیمتیں گھٹائے اور انہیں سستے داموں حاجتمند انسانوں تک پہنچا دے ۔

ابھی تک نظام سرمایہ داری کا یہ عیب بھی اپنی جگہ قائم ہے کہ ریاست، سو سائٹی،مالدار طبقہ،غرض کو ئی بھی اپنے آپ کو ان لاکھوں کروڑوں آدمیوں کی کفالت اور دستگیری کا دمہ دار نہیں سمجھتا جو قابل کا ر ہو نے کے باوجود بیکار ہو ں ،یا بھی قابل کار نہ ہو ئے ہوں،یا مستقل یا عا رضی طور پر نا کا رہ ہو گئے ہوں۔ اب بھی علاج کا مستحق وہی بیمار ہے جس کی جیب میں پیسہ ہو ،اب بھی تعلیم و تربیت کا مستحق وہی یتیم ہے جس کا باپ انشورنس پالیسی چھوڑ مرا ہو ۔اب بھی حوادث میں گر کر وہی شخص اٹھ سکتا ہے جو پہلے اچھے دن دیکھ چکا ہو اور ان دنوںمیں اس نے خود ہی برے وقت کے لیے سہارے کا سامان کر رکھا ہو ۔ غرض ابھی تک مصیبت زدہ،حاجت مند ،بے وسیلہ آدمی بجائے جود کسی کی بھی ذمہ داری میں نہیں ہے یہ الگ بات ہے کہ کہیں اتفاقا کسی کو کچھ مدد مل جا ئے ۔

ابھی تک نظام سرمایہ داری کا یہ عیب بھی دور نہیں ہو ا کہ مصنوعی طور پر قیمتیں چڑھائی جاتی ہیں اور با قاعدہ منصوبے بنا بنا کر بعض اشیاء کا قحط پیدا کیا جاتا ہے ۔غائب سودے اور تجارتی قمار بازی کے مختلف طریقے اب بھی اجتماعی معیشت کے مزاج کو شب و روز درہم برہم کرتے رہتے ہیں۔لوگوں کو اب بھی کھلی چھٹی ملی ہو ئی ہے کہ اگر وہ ایک بڑا سر مایہ فراہم کر سکتے ہیں تو اپنے ذاتی نفع کے لیے جو مال چاہیں اور جتنا چاہیں تیار کر لیں اور معاشرے پر اس کو ٹھونسنے کی جس طرح چاہیں کوشش کریں،خواہ معاشرے کو اس کی ضرورت ہو یا نہ ہو ،بلکہ اس کے لیے وہ چیز مضر ہی کیوں نہ ہو ۔اب بھی یہ عجیب صورت حال رات دن مشاہدے میں آ رہی ہے کہ معاشرے کی نہا یت اہم اور سخت ضرورتیں تو رکی پڑی ہیں مگر محنت اور سرمایہ عیش وعشرت کے سامان پر ،شہوات نفس کے کھلونوں پر اور خوشحالی کے چونچلوں پر بے تحاشا صرف ہو رہا ہے ۔اب بھی صنعت اور تجارت کے بادشاہ اور مالیات کے شہشناہ اپنی اغراض کے لیے وہ کھلی اور چھپی ریشہ دوانیاں کیے جا رہے ہیں جو بین الاقوامی کش مکش،رقابت اور جنگ کی موجب ہو تی رہتی ہیں ۔

ابھی تک نظام سرمایہ داری میں معاشرے اور ریاست کی تکمیل ساہو کا ر (بینکر ) کے ہاتھ میں ہے

اور وہ ساری اجتماعی قدروں کو شرح سود کے معیار پر جانچ رہا ہے اور اسی محور پر ان کو گھما رہا ہے ۔یہ فیصلہ وہ کر تا ہے کہ سرما یہ کو کن کاموں پر خرچ ہو نا چاہیے اور کن پر نہ ہو نا چاہیے اور اس فیصلے کے لیے اس کے پاس معیار یہ نہیں کہ معاشرے کے لیے ضروری اور مفید کون سے کام ہیں بلکہ یہ ہے کہ بازار کی شرح سود کے برابر یا اس سے زائد نفع کن کاموں میں ہے ۔اس معیار کے لحاظ سے اگر آب رسانی کی بہ نسبت شراب رسائی زیادہ نفع آور ہو گی تو وہ بلا تا مل عوام الناس کو صاف پانی کے لیے ترستا چھوڑ کر عیاشوں کوشراب پلانے کی فکر میں لگ جا ئے گا ۔

ابھی تک نظام سرمایہ داری کو وہ بیماری بھی لگی ہو ئی ہے جیسے "کاروبار کا چکر"(trade cycle)کہتے ہیں،جس میں ہر چند سال کی گرم بازاری کے بعد دنیا معیشت پر کساد بازاری کے دورے پڑتے رہتے ہیں۔کاروبار کی دنیا پوری تیز رفتاری کے ساتھ مزے سے چل رہی ہو تی ہے کہ یکا یک تجار محسوس کرتے ہیں کہ جو مال ان کے گوداموں میں آ رہا ہے وہ منا سب رفتار سے نکل نہیں رہا۔وہ ذرا فرمائشیں روکتے ہیں ۔صناع یہ حال دیکھ کر ذرا مال کی تیاری سے ہاتھ کھینچ لیتا ہے اور پہلے کا دیا ہو ا بھی واپس مانگنے لگتا ہے ۔کاروبار بند ہو نے شروع ہو تے ہیں۔بے روزگاری بڑھتی ہے ۔ قیمتیں گرنی شروع ہو تی ہیں۔ تا جر اور گا ہک مزید قیمتیں گرنے کی امید پر فرمائش اور خریداری سےہا تھ روکتے ہیں ۔ چلتے ہو ئے کارخانے بھی پیداوار کم کر دیتے ہیں۔ بے روزگاری اور زیا دہ بڑھ جاتی ہے ۔حکومتیں آمدنی گھٹتی دیکھ کر مصارف میں تخفیف کرنے لگتی ہیں۔ کساد بازاری میں مزید اصافہ ہو جاتا ہے ۔اس طرح ہر قدم جو پچھے ہٹتا ہے ،کئی قدم اور پچھے ہٹنے کا سبب بنتا چلا جاتا ہے ۔یہا ں تک کہ جب قطعی اور کلی دیوا لہ کی سرحد قریب آجاتی ہے تو یکایک رخ بدلتا ہے ، آہستہ آہستہ چڑھاؤ شروع ہو تا ہے ، اور پھر گرم بازاری کا دور آ جاتا ہے ۔یہ چکر نظام سرمایہ داری کے لیے ایک مستقل مرض بن چکا ہے جس کا ابھی تک کو ئی علاج شروع نہیں ہو ا۔

یہ اور دوسرے بہت سے چھوٹے بڑے عیوب آج کی مقید اور اصلاح یافتہ سرما یہ داری میں بھی اسی طرح موجو د ہیں جس طرح کے انیسویں صدی کی بے قید اور بد اطوار سرمایہ داری میں پائے جاتے تھے ۔ یہ اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ جمہوریت نے اس نظام کے اصل اسباب خرابی کو سمجھ کر حکمت کے ساتھ انھیں دور کرنے کی کو ئی تدبیر نہیں کی ہے ،بلکہ جو کچھ ہو ا ہے وہ صرف یہ ہے کہ جتنا جتنا محنت پیشہ عوام کا دباؤ پڑتا گیا ہے ، یا اشتراکیت کا خطرہ بڑھتا گیا ہے ،بورژوا طبقے اپنے طریقوں میں ایسی ترمیمات کرتے چلے گئے ہیں جن سے عوام کی شکا یا ت اس حد تک ہلکی پڑ جائیں کہ اشتراکی لو گ ان سے فائدہ نہ اٹھا سکیں۔

**\_\_\_\_\_\_\_\_\_\_\_\_\_\_\_**

# تاریخ کا سبق

پچھلے صفحات میں جو تار یخی بیان پیش کیا گیا ہے اس پر مجموعی نگاہ ڈالنے سے ایک عام ناظر کے سامنے کئی باتین با لکل وضا حت کے ساتھ روشن ہو جائیں گئ۔

سب سے پہلے تو وہ ان مسائل اور ان پیچیدگیوں کو صاف پہچان جائے گا جو مغرب کی تا ریخ اور ہماری موجودہ اجتماعی زندگی میں مشترک ہیں وہ دیکھے گا کہ یہاں نظام جاگیرداری بھی اپنی بہت سی خصوصیات کے ساتھ موجود ہے اور جدید سرمایہ داری بھی اپنے بہت سے عیوب کے ساتھ جنم لے چکی ہے ۔ کچھ بیماریاں ہم نے اپنے دور انحطا ط سے میراث میں پائی ہیں اور کچھ مغرب کے صنعتی انقلاب اور سرمایہ داری کے جلو میں ہم تک پہنچی ہیں البتہ فرق یہ ہے کہ یہاں کو ئی پاپائیت اور کو ئی کلیسا نظام موجود نہیں ہے ۔ نہ کو ئی ایسا مذ ہبی طبقہ (priest class)موجو د ہے جس کا صاحب فضل طبقوں سے گٹھ جوڑ ہو اور وہ خدا اور مذ ہب کا نام لے کر بے جا امتیازات اور زبردستی جمائے ہو ئے حقوق کی حمایت کرے ۔

پھر اس تاریخی مطالعہ سے ناظر کو یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ ہمارے ہاں کے بوجھ بجھکڑ اپنی سوسائٹی کے مسا ئل اور پیچدگیوں کو حل کرنے کے لیے آئے دن جو طرفہ تجویزیں پیش کرتے رہتے ہیں ان کا شجرہ نصب کیا ہے ۔یہ جو ہم سنا کرتے ہیں کہ کو ئی صاحب"اجتماعی منصو بہ بندی " کی ضرورت پر زرو دے رہے ہیں ،اور کو ئی دوسرے صاحب ملک کے معا شی نظام میں "انقلابی تبدیلیاں" چاہتے ہیں ،اور کوئی دوسرے بزرگ فرماتے ہیں کہ زمین کو انفرادی ملکیت سے نکا ل کر "قوما" دیا جا ئے [یعنی قومی ملکیت بنا دیا جائے]،اور کسی طرف سے آواز آتی ہے کہ ساری کلید ی صنعتیں بھی قوماتی جائیں ۔ اور کو ئی عطائیوں کی مجلس بڑے غور خوض کے بعد یہ نسخہ کیمیا لے کر آ تی ہے کہ زمین کی شخصی ملکیت کو ختم کر د یا جائے ،یہ سب وہ نوادر حکمت ہیں جو مغرب کے اناڑیو ں کی بیاض سے اڑ ائے گئے ہیں اور اب یہاں وہ سب تجربات ہو ا چاہتے ہیں جو روس میں ،جرمنی واٹلی میں اور امریکہ و انگلستا ن میں ہو چکے ہیں۔ مگر اس معاملہ میں بھی ہماری اور ان کی مماثلت ایک فرق کے ساتھ ہے ۔وہاں کے اناڑی کم از کم مجتہد تو ہیں ،لیکن یہاں جو حضرات مطب کھول بیٹھے ہیں وہ اناڑی پن کے ساتھ مقلد بھی ہیں۔مغرب کے اناڑی نقصان ہو تے دیکھیں گے تو نسخے میں کچھ ردو بدل کر لیں گے ۔مگر یہاں مغرب سے ہی کسی ردوبدل کی اطلاع آ جائے تو بات دوسری ہے ورنہ ڈاکٹر مریض کی آخری ہچکی تک انشاء اللہ ایک ہی نسخہ پلاتا رہے گا ۔

ایک اور بات جو مغربی ممالک کی تاریخ تمدن و تہذ یب اور داستان افکار و اعمال میں آدمی کو نمایاں طور پر نظر آتی ہے ۔ وہ پہیم کش مکش ،نزاع اور جدال ہے ۔ایک گروہ زندگی کے میدان پر قابض ہو کر اخلاق کو ،مذہب کو ،قانون کو ،رسم و رواج کو ،اور تمدن کے سارے نظام کو ایک رخ پر کھینچ لے جاتا ہے یہاں تک کہ دوسرے گروہو ں کے ساتھ بے انصافی کی انتہا ہو جاتی ہے ۔پھر ان مظلوم گرو ہو ں میں سے کو ئی ایک اٹھ کر اس ظالم گروہ سے گتھ جاتا ہے اور اس کے غلط کے ساتھ اس کے صحیح پر بھی خط نسخ پھیر دیتا ہے اور فکر وعمل کے پورے نظام کو پہلی انتہا سے کھینچ کر دوسری انتہا تک لے جاتا ہے یہاں تک کہ پھر بے انصافی حد کو پہنچ جاتی ہے ۔اس کے بعد شکوہ شکایت سے گزر کر نوبت ایک تیسری بغاوت تک پہنچتی ہے اور ضد اور ہٹ دھرمی کا طوفان پھر جھوٹ کے ساتھ سچ کو بھی بہا لے جاتا ہے اور اگلوں سے بھی بڑھ کر ایک اور انتہا پسندانہ نظام قائم ہو جاتا ہے ۔اس طوفان کی تباہ کا ریاں دیکھ کر اس کے مقابلے میں ایک جوابی طوفان اٹھ کھڑا ہو تا ہے اور وہ بھی اپنے حریف سے کچھ کم انتہا پسند نہیں ہو تا ۔اس کھینچ تان کی وجہ سے مغرب کی تا ریخ آدمی کو کچھ اس طرح سفر کرتی نظر آتی ہے جیسے ایک شرابی لڑ کھڑا تا ہو ا بخط منجی چل رہا ہو ،نہ کہ ایک ہوشمند انسان سویا علی صراط مستقیم چلا جا رہا ہو ۔ہیکل اور مارکس بیچارے اس منظر کو دیکھ کر یہ سمجھ بیٹھے کہ انسانی تمدن کے ارتقاءکی فطری چال یہی ہے ۔لیکن در حقیقت یہ سب کچھ نتائج ہیں صرف ایک چیز کے اور وہ یہ ہے یہ اہل مغرب مد تہائے دراز سے بغیرھدی ولاکتاب منیر زندگی بسر کر رہے ہیں۔سینٹ پال کے توسط سے جو عیسائیت ان کو پہنچی تھی اس کا رشتہ شریعت سے پہلے ہی توڑا جا چکا تھا۔اس کے پاس مسیح علیہ السلام کے چند اخلاقی مواعظ کے سوا کو ئی ایسی خدائی ہدایت سرے سے موجو د ہی نہ تھی جس پر تمدن وسیاست اور معیشت کا ایک وسیع نظام تعمیر کیا جا سکتا ۔با ئیبل کا پرانا عہد نامہ خود بھی 2فی صدی خدائی ہدایت کے ساتھ فی صدی انسانی کلام کی آمیزش اپنے اندر لیے ہو ئے تھا۔ اس لیے اگر بعد میں انھوں نے نیم عقیدت اور نیم بے عقیدگی کے ساتھ اس کی طرف رجوع کیا بھی تو اس سے کچھ بہت زیادہ رہنمائی نہ مل سکی۔اسلام عین اس زمانے میں یورپ کے سامنے آ چکا تھا جبکہ مغربی رومن امپائر کا نظام درہم برہم ہو ئے تھوڑی ہی مدت گز ری تھی اور دور متوسط کی تا ریکی کا ابھی آغاز ہی ہو ا تھا۔لیکن جس یورپ نے دین مسیحی کو اس شرط پر قبول کیا تھا کہ شریعت اس کے ساتھ نہ ہو ،وہ بھلا اس اسلام کی طرف حصول ہدایت کے لیے کیسے تو جہ کرتا جو شریعت کے بغیر نرا دین و ایمان پیش کرنے کے لیے کسی طرح تیار نہ تھا۔کچھ تو اس وجہ سے ،اور کچھ پادریوں کے پھیلائے ہو ئے تعصبات کی وجہ سے ، یورپ نے اسلام سے بھی کوئی روشنی حاصل نہ کی۔اب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا تھا یا اہل مغرب خود ہی اپنی عقل سے اپنے لیے نظام زندگی بناتے ۔چنانچہ یہی انھوں نے کیا۔مگر یہ ظاہر ہے کہ انسان خالص عقل فیصلے نہیں کر سکتا۔اس عقل کے ساتھ خواہش کا گمراہ کن شیطان بھی لگا ہو اہے ۔اور یہ بھی ظاہر ہے کہ سارے انسان ایک ساتھ مل کر کو ئی نظام زندگی وضع نہیں کیا کر تے ۔کچھ بیدار مغز لوگ ہی ایک نظام تجویز کرتے ہیں جن کی وجہ سے ان کا نظام انہی اپیل کرتا ہے جو ان کے ساتھ ان کے تعصبات میں شریک ہو ں۔یہی اسباب ہیں جن کی بنا پر یورپ میں وقتا فوقتا جتنے نظام زندگی بنتے رہے وہ سب غیر متوازن تھے ،اور اس عدم توازن کا لازمی نتیجہ یہی ہو نا تھا کہ وہاں ایک پہیم کش مکش اور کھینچ تان جاری رہتی۔سوال یہ ہے کہ کیا فی الواقع ہم بھی اس دنیا میں بغیرھدی ولا کتاب منیر ہی ہیں؟کیا ہمارے لیے بھی اس کے سوا کو ئی چارہ نہیں ہے کہ قدیم ہندوا نہ جاہلیت،اور دور متوسط کے مغل نظام اور دور حاضر کے فرنگی تمدن نے مل جل کر جن مسائل سے ہم کو دوچار کردیا ہے ان کے حل کی وہی صورتیں اختیار کریں جو اشتراکیت،نازیت،فاشیت،اور سرمایہ داری نے مغرب میں اختیار کی ہیں؟ کیا ہمارے پاس بھی کوئی ایسی روشنی موجود نہیں ہے جسکی مدد سے ایک متوازن نظام بنایا جا سکتا ہو ؟ جو شخص اسلام کو جانتا ہو وہ ان سوالات کا جواب اثبات میں نہیں دے سکتا ۔

## اصلی الجھن

اسلام کے اصول پر ہم ان مسائل کو کس طرح حل کر سکتے ہیں ؟ اس کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے ایک واضح طور پر اس اصل الجھن کو سمجھ لیا جائے جس سے اس وقت دنیا دو چار ہے اور ہم کو بھی دوچار ہو نا پڑ رہا ہے ۔مختصر الفاظ میں وہ الجھن یہ ہے :

اگر ہم بے قید معیشت کے اصول اختیار کرتے ہیں جن کی رو سے ہر شخص کو بے روک ٹوک یا موقع حاصل رہتا ہے کہ جس قدر ذرائع پیداوار کو چاہیے اپنے قبضے میں لائے اور جس طرح چاہیے اپنے نفع کے لیے سعی وجہد کرے ،نیز جن کی رو سے سوسائٹی میں عدل وتوازن قائم کرنے کے لیے صرف مقابلہ ومسابقت اور کسر و انکسار کے خودروقوانین ہی پر اعتماد کر لیا جا تا ہے ،تو اس سے سرمایہ داری نظام کی وہ خرابیاں پیدا ہو تی ہیں،اور ہماری سوسائٹی کی حد تک جا گیر داری نظام کی بھی وہ بہت سی خرابیاں با قی رہ جاتی ہیں ،جن کا ذ کر اس سے پہلے ہم " نظام جاگیر داری"اور " جدید نظام سرمایہ داری" کے زیر عنوان کر چکے ہیں۔

اور اگر ہم انفرادی ملکیت کے طریقے کو ختم کر کے تمام ذرائع پیداوار پر اجتماعی قبضہ وتصرف قائم کر دیتے ہیں، تو بلا شبہ مذکورہ با لا خرابیوں کا تو بڑی حد تک تدارک ہو جاتا ہے ،مگر اول تو یہ بنیادی تغیر جان ومال کی اس بے دریغ بربادی اور مذہب واخلاق سے اس کھلی بغاوت کے بغیر نہیں ہو سکتا جس کی مثال روس کی اشتراکی انقلاب میں ہم کو ملتی ہے ۔ دوسرے اگر با لفرض یہ تغیر پر امن جمہوری طریقوں سے ہو بھی جائے تو اجتماعی ملکیت کا نظام بہر حا ل انفرادی آزادی کو قطعی ختم کر دیتا ہے جمہوری طریقوں سے سوشلزم قائم کرنا درحقیقت جمہوریت کے ذریعے سے جمہوریت کو ختم کرنا ہے ۔اس لیے کہ جمہوریت تو اس کے بغیر چل ہی نہیں سکتی کہ سوسائٹی میں کم ازکم ایک بہت بڑی اکثریت آزاد پیشہ ور لوگوں کی موجود رہے ۔لیکن سوشلزم اس کے بر عکس آزاد پیشوں کو ختم کردیتاہے ۔ معیشت کا جو شعبہ بھی اجتماعی نظامی میں لیا جائے گا اس کے تمام کا رکن ایسے ہی ہو جائیں گے جیسے سرکاری ملازم،ملازمت پیشہ طبقہ میں جتنی کچھ آزادی رائے اور آزادی عمل پائی جاتی ہے ، ہر شخص اس کو جا نتا ہے ۔یہ طریق کار جتنا جتنا معیشت میں پھیلتا چلا جائے گا،آزادی فکر،آزادی گفتار،آزادی اجتماع،آزادی تحریر،اور آزادی کار کی سرحدیں سکڑ تی چلی جائیں گی،یہاں تک کہ جس روز پوری معیشت پو رے اجتماعی انتظام میں چلی جائے گی اسی روز ملک کی پو ری آبادی سرکاری ملازمین میں تبدیل ہو جائے گی۔اس طرح کے نظام کی عین فطرت یہی ہے کہ جو گروہ ایک مرتبہ برسر اقتدارآ جائے گا وہ پھر ہٹایا نہ جا سکے گا۔

اور اگر ہم انفرادی ملکیت کے نظام کو مٹانے کے بجائے صرف اس پر ایک مضبوط سرکاری تسلط (government control)قائم کر دیتے ہیں اور پوری قومی معیشت کو ایک مرکزی منصوبہ بندی کے مطابق چلاتے ہیں،جیسا کہ فا شیت اور نازیت نے کیا،تب بھی نظام سرمایہ داری کی بہت سی خرابیوں کا مداوا تو ہو جاتا ہے ۔مگر انفرادی آزادی کے لیے اتنی ضابطہ بندی بھی مہلک ثابت ہو تی ہے ۔اس کے نتائج عملا وہی کچھ ہیں جو سوشلزم کے نتائج ہیں۔

اور اگر ہم نظام سرمایہ داری کو اس کی اصل بنیادوں پر قائم رکھتے ہو ئے اس کے اندر اس طرح کی اصلاحات کرتے ہیں جیسی اب تک امریکہ اور انگلستا ن وغیرہ ممالک میں ہو ئی ہیں تو ان سے جمہوریت اور انفرادی آزادی تو بر قرار رہتی ہے مگر ان بڑی اور اصل خرابیوں میں سے کوئی ایک بھی دور نہیں ہو تی جن کی بدولت نظام سرمایہ داری دنیا کے لیے لعنت اور مصیبت بن چکا ہے ۔

گویا ایک طرف کنواں ہے تو دوسری طرف کھائی۔اجتماعی فلاح کا انتظام کیا جاتا ہے تو افراد کی آزادی ختم ہو جاتی ہے ۔افراد کی آزادی کو بچایا جاتا ہے تو اجتماعی فلاح غارت ہو جاتی ہے ۔ ایسا کو ئی نظام زندگی دنیا نہیں پا سکتی ہے جس میں صنعتی انقلاب تو اپنی تمام برکات کے ساتھ جوں کا تو ں چلتا اور بڑھتا رہے اور پھر انفرادی آزادی اور اجتماعی فلاح دونوں بہ یک وقت پو رے اعتدال کے ساتھ نبھ جائیں۔اسی قسم کے ایک نظام کی دریافت پر دنیا کا مستقبل معلق ہے ۔ اگر وہ نہ ملا تو صنعتی انقلاب ہی کے پستول سے انسان خود کشی کر لیگا۔اور اگر وہ مل گیا تو جو ملک بھی اس کا ایک کا میاب نمونہ دنیا کے سامنے پیش کر د گا وہی دنیا کا امام بن جائے گا۔

**\_\_\_\_\_\_\_\_\_\_\_\_\_\_\_\_\_\_\_\_\_\_\_\_**

# اسلامی نظم معیشت کے بنیادی ارکان

اسلام نے اشتراکیت اور سرمایہ داری کے درمیان جو متوسط معاشی نظریہ اختیار کیا ہے اس پر ایک نظام کی عمارت اٹھانے کے لیے وہ سب سے پہلے فرد اور معاشرے میں چند ایسی اخلاقی اور عملی بنیادیں قائم کرتا ہے جو اس عمارت کو مضبوطی کے ساتھ سنبھال سکیں۔اس غرض کے لیے وہ ہر فرد کی ذہنیت کو درست کر کے اس میں ٹھیک وہ کیفیت پیدا کرنے کی کو شش کرتا ہے جو اس متوازن نظام کے چلانے وا لے افراد میں درکار ہے ،انفرادی آزادی پر چند حدود عائد کرتا ہے تا کہ وہ ا جتماعی مفاد کےلیے مضر ہو نے کے لیے بجائے مثبت طور پر مفید ومعاون ہو جائے۔ وہ معاشرے میں کچھ ایسے قوائد مقرر کرتا ہے جو معاشی زندگی کو خراب کرنے والے اسباب کا سدباب کر دیتے ہیں یہ اسلامی نظم معیشت کے بنیادی ارکان میں جنہیں سمجھ لینا جدید معاشی پیچیدگیوں کے اسلامی حل کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے ۔

## 1۔ اکتساب مال کے ذرائع میں جائز اور نا جائز کی تفریق

سب سے پہلی چیز یہ ہے کہ اسلام اپنے پیرووں کو دولت کمانے کا عام لا ئسنس نہیں دیتا بلکہ کمائی کے طریقوں میں اجتماعی مفاد کے لحاظ سے جائز اور نا جائز کا امتیاز قا‏ئم کرتا ہے یہ امتیازاس قاعدہ کلیہ پر مبنی ہے کہ دولت حاصل کرنے کے تمام وہ طر یقے نا جائز ہیں جن میں ایک شخص کا فائدہ دوسرے شخص یا اشخاص کے نقصان پر ہو ، اور ہر وہ طریقہ جائز ہے جس میں فوائد کا مبادلہ اشخاص متعلقہ کے درمیان منصفانہ طور پر ہو۔قرآن مجید میں اس قاعدہ کلیہ کو اس طرح بیان کیا گیا ہے ۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ١۫ وَ لَا تَقْتُلُوْۤا اَنْفُسَكُمْ١ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا۰۰۲۹وَ مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّ ظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا١ؕ وَ كَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا۰۰۳۰

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو ، آپس میں ایک دُوسرے کے مال باطل طریقوں سے نہ کھاؤ ،لین دین ہونا چاہیے آپس کی رضا مندی سے۔ اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو۔ یقین مانو کہ اللہ تمہارے اُوپر مہربان ہے۔(29)جو شخص ظلم و زیادتی کے ساتھ ایسا کرے گا اُس کو ہم ضرور آگ میں جھونکیں گے اور یہ اللہ کے لیے کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ (30)

اس آیت میں لین دین کے لیے جواز کی دو شرطیں بتائی گئی ہیں۔ایک یہ کہ لیں دین باہمی رضا مندی سے ہو ۔دوسرے یہ کہ ایک کا فائدہ دوسرے کا نقصان نہ ہو ۔اس معنی میں ولاتقتلواانفسکم کا فقرہ نہایت بلیغ ہے ۔اس کے دو مفہوم ہیں اور دونوں ہی یہاں مراد لیے گئے ہیں۔ایک یہ کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو ہلاک نہ کرو۔دوسرے یہ کہ تم خود اپنے آپ کو ہلاک نہ کرو۔مطلب یہ ہے کہ جو شخص اپنے فائدے کے لیے دوسرے کا نقصان کرتا ہے وہ گویا اس کا خون پیتا ہے ،اور مآل کار میں خود اپنی تباہی کا بھی راستہ کھولتا ہے ۔ چوری رشوت ،قمار،دغاو فریب،سود اور تمام ان تجارتی طریقوں میں جن کو اسلام نے ناجائزقرار دیا ہے ،عدم جواز کے یہ دونوں اسباب پائے جاتے ہیں،اور اگر بعض میں با ہمی رضا مندی کے وہم کی گنجائش بھی ہے تو لاتقتلواانفسکم کی دوسری اہم شرط منقود ہے ۔

## 2۔ مال جمع کرنے کی ممانعت

دوسرا اہم حکم یہ ہے کہ جائز طریقوں سے جو دولت کمائی جائے اس کو جمع نہ کیا جا ئے ،کیونکہ اس سے دولت کی گردش رک جاتی ہے اور تقسیم دولت میں توازن برقرار نہیں رہتا ۔ دولت سمیٹ سمیٹ کر جمع کرنے والا نہ صرف خود بد ترین اخلاقی امراض میں مبتلا ہو تا ہے بلکہ در حقیقت وہ پوری جماعت کے خلاف ایک شدیدجرم کا ارتکاب کرتا ہے ،اور اس کا نتیجہ آخر کار خود اس کے اپنے لیے بھی برا ہے ۔اسی لیے قرآن مجید بخل اور قارونیت کا سخت مخالف ہے ۔وہ کہتا ہے :۔

وَ لَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ١ؕ

جن لوگوں کو اللہ نے اپنے فضل سے نوازا ہے اور پھر وہ بخل سے کام لیتے ہیں وہ اس خیال میں نہ رہیں کہ یہ بخیلی ان کے لیے اچھی ہے ۔(آل عمران۔180)

وَ الَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَ الْفِضَّةَ وَ لَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ١ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍۙ۰۰۳۴(التوبہ ۔34)

"اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ۔ان کو عذاب علیم کی خبر دے دو ۔"

یہ چیز سرمایہ داری کی بنیاد پر ضرب لگاتی ہے ۔بچت کو جمع کرنا اور جمع شدہ دولت کو مزید دولت پیدا کرنے میں لگانا، یہی دراصل سرمایہ داری کی جڑ ہے ۔مگر اسلام سرے سے اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ آدمی اپنی ضرورت سے زائد دولت جمع کر کے رکھے ۔

## 3۔خرچ کرنے کا حکم :

جمع کرنے کی بجائے اسلام خرچ کرنے کی تعلیم دیتا ہے ۔مگر خرچ کرنے سے اس کا مقصد یہ نہیں کہ آپ اپنے عیش و آرام اور گلچھرے اڑانے میں دولت لٹائیں۔بلکہ وہ خرچ کرنے کا حکم فی سبیل اللہ کی قید کے ساتھ دیتا ہے ،یعنی آپ کے پاس اپنی ضرورت سے جو کچھ بچ جائے اس کو جماعت کی بھلائی کے کا موں میں خرچ کر دیں کہ یہی سبیل اللہ ہے ۔

وَ يَسْـَٔلُوْنَكَ مَا ذَا يُنْفِقُوْنَ١ؕ۬ قُلِ الْعَفْوَ١ؕ (البقرہ۔219)

"اور وہ تم سے پو چھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں۔کہو کہ جو ضرورتسے بچ رہے ۔"

وَّ بِالْوَالِدَيْنِ۠ اِحْسَانًا وَّ بِذِي الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنِ وَ الْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَ الْجَارِ الْجُنُبِ وَ الصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَ ابْنِ السَّبِيْلِ١ۙ وَ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ١ؕ (النساء۔36)

"اور نیک سلوک کرو اپنے ماں باپ کے ساتھ اور اپنے رشتہ داروںاور یتیموں اور مسکینوں اور قرابت دار پڑوسیوں اور اجنبی ہمسایوں اور اپنے ملنے والے دوستوں اور مسافروں اور لونڈی غلاموں کےساتھ۔"

وَ فِيْۤ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآىِٕلِ وَ الْمَحْرُوْمِ ( الذاریات۔19)

"اور ان کے مالوں میں سائل اور نادار کا حق ہے ۔"

یہا ں پہنچ کر اسلام کا نقطہ نظریہ سرمایہ داری کے نقظہ نظرسے با لکل مختلف ہو جاتا ہے ۔سرمایہ دار سمجھتا ہے کہ خرچ کرنے سے مفلس ہو جاؤں گا اور جمع کرنے سے مالدار بنوں گا۔اسلام کہتاہے خرچ کرنے سے برکت ہو گی۔تیری دولت گھٹے گی نہیں بلکہ اور بڑھے گی۔

اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَ يَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ١ۚ وَ اللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَ فَضْلًا١ؕ ( البقرہ۔268)

"شیطان تم کو ناداری کا خوف دلاتا ہے اور (بخل جیسی ) شرمناک بات کا حکم دیتا ہے ،مگر اللہ تم سے بخشش اور مزید عطا کا وعدہ کرتا ہے "

سرمایہ دار سمجھتا ہے کہ جو کچھ خرچ کر دیا وہ کھو یا گیا،اسلام کہتا ہے کہ نہیں کھویا نہیں گیا بلکہ اس کا بہتر فائدہ تمہاری طرف پھر پلٹ کر آئے گا۔

وَ مَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ۰۰۲۷۲

(البقرہ۔272)

"اور تم نیک کاموں میں جو کچھ خرچ کرو گے وہ تم کو پورا پو را ملے گا اور تم پر ہر گز ظلم نہ ہو گا۔"

اَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّ عَلَانِيَةً يَّرْجُوْنَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَۙ اُجُوْرَهُمْ وَ يَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ١ؕ (فاطر۔29۔30)

" اور جن لو گو ں نے ہمارے بخشے ہو ئے رزق میں سے کھلے اور چھپے طریقہ سے خرچ کیا وہ ایک ایسی تجارت کی امید رکھتے ہیں

جس میں گھاٹا ہر گز نہیں ہے ۔اور اللہ ان کے بدلے ان کو پورے پو رے اجر دیگا بلکہ اپنے فضل سے کچھ زیادہ ہی عنایت کرے گا۔"

سرمایہ دار سمجھتا ہے کہ دولت کو جمع کرکے اس کو سود پر چلانے سے دولت بڑھتی ہے ۔اسلام کہتا ہے کہ نہیں، سود سے تو دولت گھٹ جاتی ہے ۔دولت بڑھانے کا ذریعہ نیک کاموں میں اسے خرچ کرنا ہے ۔

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَ يُرْبِي الصَّدَقٰتِ١ؕ (البقرہ۔276)

"اللہ سود کا مٹھ مار دیتا ہے اور صدقات کو نشوونما دیتا ہے ۔"

وَ مَاۤ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَاۡ فِيْۤ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ١ۚ وَ مَاۤ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ۰۰۳۹ ( الروم۔39)

"اور یہ جو تم سود دیتے ہو تا کہ لو گو ں کے اموال میں اضافہ ہو تو اللہ کے نزدیک وہ ہرگز نہیں بڑ ھتا ۔بڑھوتری تو ان اموال کو نصیب ہو تی ہے جو تم اللہ کے لیے زکو ۃ میں دیتے ہو ۔"

یہ ایک نیا نظریہ ہے جو سرمایہ داری کے نظر یہ کی بالکل ضد ہے ۔ خرچ کرنے سے دولت کا بڑھنا اور خرچ کیے ہو ئے مال کا ضائع نہ ہو نا بلکہ اس کا پو را پو رابدل کچھ زائد فائدے کے ساتھ واپس آنا،سود سے دولت میں اضافہ ہونے کے بجائے الٹا گھاٹا آنا ،زکوۃوصدقات سے دولت میں کمی واقع ہو نے کے بجائے اضافہ ہو نا،یہ ایسے نظریات ہیں جو بظاہر عجیب معلوم ہو تے ہیں۔ سننے والا سمجھتا ہے کہ شاید ان سب باتو ں کا تعلق محض ثواب آخرت سے ہو گا۔ اس میں شک نہیں کہ ان باتوں کا تعلق ثواب آخرت سے بھی ہے ،اور اسلام کی نگاہ میں اصلی اہمیت اسی کی ہے ،لیکن اگر غو ر سے دیکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ اس دنیامیں بھی معاشی حیثیت سے یہ نظریات ایک نہایت مضبوط بنیاد پر قائم ہیں۔دولت کو جمع کرنے اور اس کو سود پر چلانے کا آخری نتیجہ یہ ہے کہ دولت سمٹ سمٹ کر چند افراد کے پا س اکھٹی ہو جائے ۔جمہو ر کی قوت خرید purchasing power)) روز بروزگھٹتی چلی جائے ۔صنعت اور تجارت اور زراعت میں کسادبازاری رونما ہو ، قوم کی معاشی زندگی تباہی کے سرے پرجاپہنچے،اور آخر کار خود سرمایہ دار افراد کے لیے بھی اپنی جمع شدہ دولت کو افزائش دولت کے کا موں میں لگانے کا کو ئی موقع باقی نہ رہے ۔[اس بات کی طرف اشارہ ہے اس حدیث میں جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ۔ص سود اگر چہ کتنا ہی زیادہ ہو مگر انجام کا ر وہ کمی کی طرف پلٹتا ہے ۔"]

بخلاف اس کے خرچ کرنے اور زکوۃ وصدقات دینے کا مآل یہ ہے کہ قوم کے تمام افراد تک دولت پھیل جائے ،ہر شخص کو کافی قوت خرید حاصل ہو ، صنعتیں پرورش پائیں،کھیتیاں سرسبز ہو ں،تجارت کو خوب فروغ ہو ، اور چاہیے کو ئی لکھ پتی اور کڑور پتی نہ ہو ،مگر سب خوشحال وفارغ البال ہو ں۔اس مآل اندیشانہ معاشی نظریہ کی صداقت اگر دیکھنی ہو تو سرمایہ داری نظام کے تحت دنیا کے موجو دہ معاشی حالات کو دیکھتے کہ جہاں سود ہی کی وجہ سے تقسیم ثروت کا تو ازن بگڑ گیا ہے۔اور صنعت وتجارت کی کسادبازاری نے عوام کی معاشی زندگی کو تباہی کے سرے پر پہنچا دیا ہے ۔اس کے مقابلہ میں ابتدائے عہد اسلامی کی حالت کو دیکھے کہ جب ا س معاشی نظریہ کو پو ری شان کے ساتھ عملی جامہ پہنا یا گیا تو چند سال کے اندر عوام کی خوشحالی اس مرتبہ کو پہنچ گئی یہ لوگ زکوۃ کے مستحقین کو ڈ ھو نڈتے پھرتے تھے اور مشکل ہی سے کو ئی ایسا شخص ملتا تھا جو خود صاحب نصاب نہ ہو ۔ان دونوں حالتو ں کا موازنہ کرنے سے معلوم ہو جائے گا کہ اللہ کس طرح سود کا مٹھ مارتا ہے اور صدقات کو نشوو نما دیتا ہے ۔

پھر اسلام جو ذہنیت پیدا کرتا ہے وہ بھی سرمایہ دارانہ ذ ہنیت سے با لکل مختلف ہے ۔سرمایہ دار کے ذہن میں کسی طرح یہ تصور سما ہی نہیں سکتا کہ ایک شخص اپنا روپیہ دوسرے کو سود کے بغیر کیسے دے سکتا ہے ۔ وہ قرض پر نہ صرف سود لیتا ہے بلکہ اپنے راس المال اور سودکی با زیافت کے لیے قرضدار کے کپڑے اور گھر کے برتن تک قرق کرا لیتا ہے ،مگر اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ حاجتمند کو صرف قرض ہی نہ دو بلکہ اگر وہ تنگ دست ہو تو اس پر تقاضے میں سختی بھی نہ کرو،حتی کہ اگر اس میں دینے کی استطاعت نہ ہو تو معاف کر دو۔

وَ اِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ١ؕ وَ اَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۰۰۲۸۰ (البقرہ۔028)

"اگر قرضدار تنگ دست ہو تو اس کی حا لت درست ہو نے تک اسے مہلت دے دو،اور اگرمعاف کرودتو یہ تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے اس کا فائدہ تم سمجھ سکتے ہو اگر کچھ علم رکھتے ہو ۔"

سرمایہ داری میں امداد باہمی کے معنی یہ ہیں کہ آپ انجمن امداد باہمی کو پہلے روپیہ دے کر اس کے رکن بنیے،پھر اگر کو ئی ضرورت آپ کو پیش آئے گی تو انجمن آپ کو عام بازاری شرح سود سے کچھ کم پر قرض دے دیگی۔اگر آپ کے پاس روپیہ نہیں ہے تو " امداد باہمی" سے آپ کچھ بھی امداد حاصل نہیں کر سکتے ۔برعکس اس کے اسلام کے ذہن میں امداد باہمی کا تصور یہ ہے کہ لو گ ذی استطاعت ہو ں وہ ضرورت کے وقت اپنے کم استطاعت بھائیوں کو نہ صرف قرض دیں بلکہ قرض ادا کرنے میں بھی حسبتہ للہ ان کی مدد کر یں ،چنا نچہ زکوۃ کے مصارف میں سے ایک مصرف والغارمین بھی ہے یعنی قرضداروں کے قرض ادا کرنا ،

سرمایہ دار اگر نیک کاموں میں خرچ کرتا ہے تو محض نمائش کے لیے ،کیونکہ اس کم نطر کے نزدیک اس خرچ کا کم سے کم یہ معاوضہ تو اس کو حاصل ہو نا ہی چاہیے کہ اس کا نام ہو جائے ۔اس کو مقبولیت عام حاصل ہو ،اس کی دھاک اور ساکھ بیٹھ جائے ۔مگر اسلام کہتا ہے کہ خرچ کرنے میں نمائش ہرگز نہ ہو نی چاہیے ۔خفیہ یا علانیہ جو کچھ بھی خرچ کرو،اس میں یہ مقصد پیش نظر ہی نہ رکھو کہ فورا اس کا بدل تم کو کسی نہ کسی شکل میں مل جائے بلکہ مآل کار پر نگاہ رکھو۔اس دنیاسے لے کر آخرت تک جتنی دور تمہاری نظر جائے گی تم کو ہی خرچ پھلتا پھولتا اور منافع پر منافع پیدا کرتا ہی دکھائی دے گا۔"جو شخص اپنے مال کو نمائش کے لیے خرچ کرتا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک چٹان پر مٹی پڑی تھی،اس نے اس مٹی پر بیج بو یا،مگر پانی کا ایک ریلہ آیا اور مٹی کو بہا لے گیا۔اور جو شخص اپنی نیت کو درست رکھ کر اللہ کی خو شنودی کے لیے خرچ کرتا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے اس نے ایک عمدہ زمین میں باغ لگایا،اگر بارش ہو گئی تو دوگنا پھل لایااور آگر بارش نہ ہو ئی تو محض ہلکی سی پھوار اس کے لیے کافی ہے ۔"(سورۃ البقرہ۔264۔265)

اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ١ۚ وَ اِنْ تُخْفُوْهَا وَ تُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ١ؕ ( البقرہ۔271)

"اگر صدقات علانیہ دو تو یہ بھی اچھا ہے ،لیکن اگر چھپا کر دو اور غریب لو گوں تک پہنچاؤتو یہ زیادہ بہتر ہے ۔"

سرمایہ دار اگر نیک کام میں کچھ صرف بھی کرتا ہے تو با دل نا خواستہ بد تر سے بد تر مال دیتا ہے اور پھر جس کو دیتا ہے اس کی آدھی جان اپنی زبان کے نشتروں سے نکال لیتا ہے ۔اسلام اس کے بالکل بر عکس یہ سکھاتا ہے کہ اچھا مال خرچ کرو ،اور خرچ کرکے احسان نہ جتاؤ،بلکہ اس کی خواہش بھی نہ رکھو کہ کو ئی تمہارے سامنے احسان مندی کا اظہار کرے ۔

اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَ مِمَّاۤ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ١۪ وَ لَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ (البقرہ۔267)

"تم نے جو کچھ کمایا ہے اور جو کچھ ہم نے تمہارے لیے زمین سے نکالاہے اس میں سےعمدہ اموال کو راہ خدا میں صرف کرو نہ یہ کہ بد تر مال چھانٹ کر اس میں سے دینے لگو۔"

لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَ الْاَذٰى١ۙ (البقرہ۔264)

"اپنے صدقات کو احسان جتا کر اور اذیت پہنچا کر ملیا میٹ نہ کردو۔"

وَ يُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّ يَتِيْمًا وَّ اَسِيْرًا۰۰۸

اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّ لَا شُكُوْرًا۰۰۹ (الدھر۔8۔9)

"اور وہ اللہ کی محبت میں مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم تو اللہ کے لیے تم کو کھلاتے ہیں۔ہم تم سے کسی جزا اور شکریہ کے خواہش مند نہیں ہیں۔"

چھوڑ ئیے اس سوال کو کہ اخلاقی نقطہ نظر سے ان دونوں ذہنیتوں میں کتنا عظیم تفاوت ہے۔ہم کہتے ہیں کہ خالص معاشی نقطہ نظر ہی سے دیکھ لیجیے کہ فائد ے اور نقصان کے ان دونوں نظریوں میں سے کو نسا نظریہ زیادہ محکم اور دور رس نتائج کے اعتبارسے زیادہ صحیح ہے ۔ پھر جب کہ منفعت ومضرت کے باب میں اسلام کا نظریہ وہ ہے جوآپ دیکھ چکے ہیں تو کیو نکر ممکن ہے کہ اسلام کسی شکل میں بھی سودی کاروبار کو جائز رکھے ؟

## 4 ۔زکوۃ

اسلام کا مقصد،جیسا کہ اوپر بیان ہو ا،یہ ہے کہ دولت کسی جگہ جمع نہ ہو نے پائے ۔وہ چاہتا ہے کہ جماعت کے جن افراد کو اپنی قابلیت یا خوش قسمتی کی بنا پر ان کی ضرورت سے زیادہ دولت میسر آگئی ہو وہ اس کو سمیٹ کر نہ رکھیں بلکہ خرچ کریں،اور ایسے مصارف میں خرچ کریں جن سے دولت کی گردش میں سوسائٹی کے کم نصیب افراد کو بھی کافی حصہ مل جائے ۔اس غرض کے لیے اسلام ایک طرف اپنی بلنداخلاقی تعلیم اور ترغیب وترہیب کے نہایت موثر طریقوں سے فیاضی اور حقیقی امداد باہمی کی اسپرٹ پیدا کرتا ہے ،تاکہ لوگ خود اپنے میلان طبع ہی سے دولت جمع کرنے کو برا سمجھیں اور اسے خرچ کر دینے کی طرف راغب ہوں ۔دوسری طرف وہ ایسا قانون بناتا ہے کہ جو لوگ فیاضی کی اس تعلیم کے باوجود اپنی افتاد طبع کی وجہ سے روپیہ جو ڑنے اور مال سمیٹنے کے خوگر ہو ں،یا جن کے پاس کسی نہ کسی طور پر مال جمع ہو جائے،ان کے مال میں سے بھی کم از کم ایک حصہ سوسائٹی کی فلاح وبہبود کے لیے ضرور نکلوالیاجائے ۔اسی چیز کا نام زکوۃ ہے ۔اور اسلام کے معاشی نظام میں اس کو اتنی اہمیت دی گئی ہے کہ اس کو ارکان اسلام میں شامل کر دیا گيا ہے ۔ نماز کے بعد سب سےز یادہ اسی کی تا کید کی گئی ہے اور صاف صاف کہہ دیا گیا ہے کہ جو شخص دولت جمع کرتا ہے ،اس کی دولت اس کے لیے حلال ہی نہیں ہو سکتی تا وقتیکہ وہ زکوۃ نہ ادا کرے ۔

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيْهِمْ بِهَا (التوبہ۔103)

"ان کے اموال میں سے زکوۃ وصول کرو اور اس کے ذریعہ سے ان کو پاک اور طاہر کر دو۔"

لفظ زکوۃ خود اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ مالدار آدمی کے پاس جو دولت جمع ہو تی ہے وہ اسلام کی نگاہ میں ایک نجاست ہے ، ایک ناپاکی ہے اور وہ پاک نہیں ہو سکتی جب تک کہ اس کا مالک اس میں سے ہر سال کم از کم ڈھائی فی صدی راہ خدا میں خرچ نہ کردے "راہ خدا"کیا ہے؟ خدا کی ذات تو بے نیاز ہے ، اس کو نہ تمہارا مال پہنچتا ہے نہ وہ اس کا حاجت مند ہے ۔اس کی راہ بس یہی ہے کہ تم خود اپنی قوم کے تنگ حال لو گوں کو خوش حال بنانے کی کو شش کرو اور ایسے مفید کاموں کو ترقی دو جن کا فائدہ ساری قوم کو حاصل ہو تا ہے ۔

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَ الْمَسٰكِيْنِ وَ الْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَ الْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَ فِي الرِّقَابِ وَ الْغٰرِمِيْنَ وَ فِيْ سَبِيْلِ (التوبہ۔60)

"صدقات تو دراصل فقراء اور مساکین کے لیے ہیں اور ان کا رکنوں کے لیے جو صدقات کی تحصیل پر مقرر ہوں اور ان لو گوں کے لیے جن کی تالیف قلب مطلوب ہو ۔اور لو گوں کی گردنیں بندا سیری سے چھڑانے کے لیے اورقرضداروں کے لیےاور فی سبیل اللہ خرچ کرنے کے لیے اور مسافروں کے لیے ۔"

یہ مسلمانوں کی کو آپریٹو سوسائٹی ہے ۔ یہ ان کی انشورنس کمپنی ہے ۔ یہ ان کا پراویڈنٹ فنڈ ہے ۔ یہ ان کے لیے بے کاروں کا سر مایہ اعانت ہے ۔ یہ ان کے معذوروں،اپاہجوں،بیماروں، یتیموں، بیواؤں کا ذریعہ پرورش ہے ۔اور ان سب سے بڑھ کر یہ وہ چیز ہے جو مسلمانوں کو فکرفردا سے با لکل بے نیاز کر دیتی ہے ۔اس کا سیدھا سادا اصول یہ ہے کہ آج تم مالدار ہو تو دوسروں کی مدد کرو ۔کل تم نادار ہو گئے تو دوسرے تمہاری مدد کریں گے ۔تمہیں یہ فکر کرنے کی ضرورت ہی نہیں کہ مفلس ہو گئے تو کیا بنے گا؟ مر گئے تو بیوی بچوں کا کیا حشر ہو گا؟کو ئی آفت ناگہانی آپڑی،بیمار ہو گئے ،گھر میں آگ گئی،سیلاب آگیا،دیوالہ نکل گیا ،تو ان مصیبتوں سے مخلصی کی کیا سبیل ہو گی؟سفر میں پیسہ پاس نہ رہا تو کیونکر گزر بسر ہو گی؟ ان سب فکروں سے صرف زکوۃ تم کو ہمیشہ کے لیے بے فکر کر دیتی ہے ۔تمہارا کام بس اتنا ہے کہ اپنی پس انداز کی ہو ئی دولت میں سے ڈھائی فی صدی دے کر اللہ کی انشورنس کمپنی میں اپنا بیمہ کرالو ۔اس وقت تم کو اس دولت کی ضرورت نہیں ہے ، یہ ان کے کام آئے گی جو اس کے ضرورت مند ہیں۔کل جب تم ضرورت مند ہو گے یا تمہاری اولاد ضرورت مند ہو گی تو نہ صرف تمہارا اپنادیا ہو ا مال بلکہ اس سے زیادہ تم کو واپس مل جائے گا۔

یہا ں پھر سرمایہ داری اور اسلام کے اصول و مناہج میں کلی تضاد نظر آتا ہے سرمایہ داری کا اقتضاد یہ ہے کہ روپیہ جمع کیا جا ئے اور اس کو بڑھانے کے لیے سود لیا جائے تا کہ ان نالیوں کے ذریعہ سے آس پاس کے لو گوں کا روپیہ بھی سمٹ کر اس جھیل میں جمع ہو جائے ۔اسلام اس کے با لکل خلاف یہ حکم دیتا ہے کہ روپیہ اول جمع ہی نہ ہو ،اور اگر جمع ہو بھی تو اس تالاب میں سے زکوۃ کی نہریں نکال دی جائیں تا کہ جو کھیت سوکھے ہیں ان کو پانی پہنچے اور گردوپیش کی ساری زمین شاداب ہو جائے ۔سرمایہ داری کے نظام میں دولت کا مبادلہ مقید ہے ، اور اسلام میں آزاد سرمایہ داری کے تالاب سے پانی لینے کے لیے نا گزیر ہے کہ خاص آپ کا پانی پہلے سے وہاں موجو د ہو ، ورنہ آپ ایک قطرہ آب بھی وہاں سے نہیں لے سکتے \_ اس کے مقابلہ میں اسلام کے خزانہ آب کا قاعدہ یہ ہے کہ جس کے پاس ضرورت سے زیادہ پانی ہو وہ اس میں لا کر ڈال دے اور جس کو اس پانی کی ضرورت ہو وہ اس میں سے لے لے ۔ظاہر ہے کہ دونوں طریقے اپنی اصل اور طبعیت کے لحاظ سے ایک دوسرے کی پو ری پو ری ضد ہیں ،اور ایک ہی نظم معیشت میں دونوں جمع نہیں ہو سکتے ۔

## 5۔قانون وراثت

اپنی ضرورت پر خرچ کرنے اور راہ خدا میں دینے اور زکوۃ ادا کرنے کے بعد بھی جو دولت کسی ایک جگہ سمٹ کر رہ گئی ہو ،اس کو پھیلانے کے لیے پھر ایک تدبیر اسلام نے اختیار کی ہے اور وہ اس کا قا نون وراثت ہے ۔ اس قانون کا منشا یہ ہے کہ جو شخص مال چھوڑ کر مر جائے ،خواہ و ہ زیادہ ہو یا کم ،اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے نزدیک ودور کے تمام رشتہ داروں میں درجہ بہ درجہ پھیلا دیا جائے اوراگر کسی کا کو ئی وارث بھی نہ ہو یا نہ ملے تو بجائے اس کے کہ اسے متبنی بنانے کا حق دیا جائے ،اس کے مال کو مسلمانوں کے بیت المال میں داخل کر دینا چاہیے تا کہ اس سے پو ری قوم فائدہ اٹھائے۔تقسیم وراثت کا یہ قانون جیسا اسلام میں پایا جا تا ہے ، کسی اور معاشی نظام میں نہيں پایا جاتا۔ دوسرے معاشی نظاموں کا میلان اس طرف ہے کہ جو دولت ایک شخص نے سمیٹ کر جمع کی ہے وہ اس کے بعد بھی ایک یا چند اشخاص کے پاس سمٹی رہے ۔[اولاد اکبر کی جا نشینی کا قانون (Law of Primogeniture) اور مشترک خاندان کا طریقہ (Joint Family System**)**

**اسی مقصد پر مبنی ہے ۔**] ۔مگر اسلام دولت کے سمٹنے کو پسند ہی نہیں کرتا ۔وہ اس کو پھیلانا چاہتا ہے تا کہ دولت کی گردش میں آسانی ہو ۔

## 6۔غنائم جنگ اور اموال منقوحہ کی تقسیم

اس معاملہ میں بھی اسلام نے وہی مقصد پیش نظر رکھا ہے ۔جنگ میں جو مال غنیمت فوجوں کے ہاتھ آئے اس کے متعلق یہ قانون بتایا گیا ہے کہ اس کے پانچ حصے کیے جائیں،چار حصے فوج میں تقسیم کر دئیے جائیں،اور ایک حصہ اس غرض کے لیے رکھ لیا جائے کہ عام قومی مصالح میں صرف ہو ۔

وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَ لِلرَّسُوْلِ وَ لِذِي الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنِ وَ ابْنِ السَّبِيْلِ١ۙ ( الانفال۔41)

"جان لو یا جو کچھ تم کو غنمیت میں ہاتھ آئے اس کا پا نچواں حصہ اللہ اور اس کے رسول اور رسو ل کے رشتہ داروں اور یتامی اور مساکین اور مسافروں کے لیے ہے ۔"

اللہ اور رسول کے حصہ سے مراد ان اجتماعی اغراض ومصالح کا حصہ ہے جن کی نگرانی اللہ اور رسول کے تحت حکم اسلامی حکومت کے سپرد کی گئی ہے ۔

رسول کے رشتہ داروں کا حصہ اس لیے رکھا گیا ہے کہ زکوۃ میں ان کا حصہ نہیں ہے ۔

اس کے بعد خمس میں تین طبقوں کا حصہ خصو صیت کے ساتھ رکھا گیا ہے :

قوم کے یتیم بچے تا کہ ان کی تعلیم و تربیت کا انتظام ہو اور ان کی زندگی کی جدو جہد میں حصہ لینے کے قا بل بنایا جائے ۔

مساکین جن میں بیوہ عورتیں،اپاہج،معذور،بیمار اور نادار سب شامل ہیں۔

ابن السبیل یعنی مسافر۔اسلام نے اپنی اخلاقی تعلیم سے لوگوں میں مسافر نوازی کا میلان خاص طور پر پیدا کیا ہے اور اس کے ساتھ زکوۃ وصدقات اور غنائم جنگ میں بھی مسافروں کا حق رکھا ہے ۔یہ وہ چیز ہے جس نے اسلامی تجارت، سیاحت ،تعلیم اور مطا لعہ ومشاہدہ آتارو احوال کے لیے لو گو ں کی نقل و حرکت میں بڑی آسانیاں پیدا کر دیں۔

جنگ کے نتیجہ میں جو اراضی اور اموال اسلامی حکو مت کے ہاتھ آئیں ان کے لیے یا قانون بنایا گیا کہ ان کو با لکلیہ حکو مت کے قبضہ میں رکھا جا ئے ۔

مَاۤ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ وَ لِذِي الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنِ وَ ابْنِ السَّبِيْلِ١ۙ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ١ؕ۔۔۔۔۔۔ لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ۔۔۔۔۔۔ وَ الَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَ الْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ۔۔۔۔ وَ الَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ (الحشر۔10۔۔۔7 )

" جو کچھ مال وجائداد اللہ نے اپنے رسول کو بستیوں کے با شندوں سے فے میں دلوایا ہے وہ اللہ اور اس کے رسول اور رسول کے رشتہ داروں اور یتامی اور مساکین اور مسافروں کے لیے ہے تا کہ یہ مال صرف تمہارے دولت مندوں ہی کے درمیان چکر نہ لگاتا رہے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اور اس میں ان ناد ار مہاجرین کا بھی حصہ ہے جو اپنے گھر بار اور جائدادوں سے بے د خل کرکے نکال دئیے گئے ہیں۔۔۔۔۔۔ اور ان لو گو ں کا بھی حصہ ہے جو مہاجرین کی آمد سے پہلے مدینہ میں ایمان لے آئے تھے ۔۔۔۔۔۔ اور ان آئندہ نسلوں کا بھی حصہ ہے جو بعد میں آنے والی ہیں ۔"

اس آیت میں نہ صرف ان مصارف کی تو ضیح کی گئی ہے جن میں اموال فے کو صرف کیا جائے گا ،بلکہ صاف طور پر اس مقصد کی طرف کی اشارہ کر دیا گیا ہے ۔جس کو اسلام نے نہ صرف اموال فے کی تقسیم میں ، بلکہ اپنے پو رے معاشی نظام میں پیش رکھا ہے یعنی کی لا یکون دولتہ بین الا غنیا ء منکم ( مال تمہارے مالدار ہی میں چکر نہ لگاتا رہے ) یہ مضمون جس کو قرآن

مجید نے ایک چھوٹے سے جامع فقرے میں بیان کر دیا ہے ،اسلامی معاشیات کی سنگ بنیاد ہے۔

## 7۔اقتصاد کا حکم

ایک طرف اسلام نے دولت کو تمام افراد قوم میں گردش دینے اور مالداروں کے مال میں ناداروں کو حصہ دار بنانے کا انتظام کیا ہے ،جیسا کہ آپ اوپر دیکھ چکے ہیں ۔دوسری طرف وہ ہر شخص کو اپنے خرچ میں اقتصاد اور کفایت شعاری ملحوظ رکھنے کا حکم دیتا ہے تاکہ افراد اپنے معاشی وسائل سے کام لینے میں افراط یا تفریط کی روش اختیار کرکے تقسیم ثروت کے توازن کو نہ بگاڑ دیں۔قرآن مجید کی جامع تعلیم اس باب میں یہ ہے کہ.

وَ لَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَ لَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا (بنی اسرائیل۔29)

" نہ اپنے ہاتھ کو اپنی گردن سےباندھے رکھ( کہ کھلے ہی نہیں )اور نہ

اس کو بالکل ہی کھول دے کہ بعد میں حسرت زدہ بن کر بیٹھا رہے۔"

وَ الَّذِيْنَ اِذَاۤ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَ لَمْ يَقْتُرُوْا وَ كَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا۰۰۶۷(الفرقان۔67 )

"اللہ کے نیک بندے وہ ہیں کہ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف کرتے ہیں اور نہ بخل برتتے ہیں بلکہ ان دونوں کے درمیان معتدل رہتے ہیں ۔"

اس تعلیم کی منشا ءیہ ہے کہ ہر شخص جو کچھ خرچ کرے اپنے معاشی وسا ئل کی حد میں رہ کرخرچ کرے ۔نہ اس قدر حد سے تجاوز کر جائے کہ اس کا خرچ اس کی آمدنی سے بڑھ جائے ۔یہاں تک کہ وہ اپنی فضول خرچیوں کے لیے ایک ایک کے آگے ہاتھ پھیلاتا پھرے ۔دوسروں کی کمائی پر ڈاکے مارے ،حقیقی ضرورت کے بغیر لوگوں سے قرض لے اور پھر یا تو ان کے قرض مار کھائے یا قرضوں کا بھگتان بھگتے میں اپنے تمام معاشی وسائل کو صرف کرکے اپنے آپ کو خود اپنے کیے کرتو توں سے فقراء ومساکین کے زمرہ میں شامل کردے ۔نہ ایسا بخیل بن جائے کہ اس کے معاشی وسائل جس قدر خرچ کرنے کے بھی یہ معنی نہیں ہیں کہ اگر وہ اچھی آمدنی رکھتا ہے تو اپنی ساری کمائی صرف اپنے عیش وآرام اور تزک واحتشام پر صرف کردے، درآں حا لیکہ اس کے عزیز،قریب دوست ،ہمسائے مصبیت کی زندگی بسر کر رہے ہوں۔اس قسم کی خود غرضا نہ خرچ کو بھی اسلام فضول خرچی ہی شمار کرتا ہے-

وَ اٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَ الْمِسْكِيْنَ وَ ابْنَ السَّبِيْلِ وَ لَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا۰۰۲۶ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ۠ كَانُوْۤا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ١ؕ وَ كَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا۰۰۲۷(بنی اسرائیل۔26۔27)

"اور اپنے رشتہ دار کو اس کا حق دے اور مسکین اور مسافر کو فضول خرچی نہ کر

۔فضول خرچ شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا نا شکرا ہے ۔"

اسلام نے اس باب میں صرف اخلاقی تعلیم ہی دینے پر اکتفا نہیں کیا،بلکہ اس نے بخل اور فضول خرچی کی انتہائی صورتو ں کو روکنے کے لیے اصول بھی بنائے ہی ہیں،اور ایسے تمام طریقوں کا سدباب کرنے کی کو شش کی ہے جو تقسیم ثروت کے توازن کو بگاڑنے والے ہیں۔وہ جوئے کو حرام قرار دیتا ہے ۔شراب اور زنا سے روکتا ہے ۔لہوو لعب کی بہت سی مسرفانہ عادتوں کو جن کا لازمی نتیجہ ضیاع وقت اور ضیاع مال ہے ، ممنوع قرار دیتا ہے ۔موسیقی کے فطری ذوق کو اس حد تک پہنچنے سے باز رکھتا ہے ،جہان انسان کا انہماک دوسری اخلا قی وروحانی خرابیاں پیدا کرنے کے ساتھ معاشی زندگی میں بھی بد نظمی پیدا کرنے کا موجب ہو سکتا ہے اور فی الواقع ہو جاتا ہے ۔جمالیات کے طبعی رجحان کو بھی وہ حدود کا پا بند بناتا ہے قیمتی ملبوسات،زرو جواہر کے زیورات،سونے چاندی کے ظروف اور تصاویر اور مجسموں کے بارے میں بنی صلی اللہ علیہ وسلم سے جو احکام مروی ہیں ان سب میں دوسرے مصالح کے ساتھ ایک بڑی مصلحت یہ بھی پیش نظر ہے کا جو دولت تمہارے بہت سے غریب بھائیوں کی ناگزیر ضرورتیں پو ری کر سکتی ہے ، ان کی زندگی کے مایحتاج فراہم کرکے دے سکتی ہے ،اسے محض اپنے جسم اور اپنے گھر کی تزئین اور آرائش پر صرف کر دینا جما لیت نہیں،شقاوت اور بد ترین خود غرضی ہے۔غرض اخلاقی تعلیم اور قانونی احکام دونوں طریقوں سے اسلام نے انسان کو جس قسم کی زندگی بسر کرنے کی ہدایت کی ہے وہ ایسی سادہ زند گی ہے کہ اس میں انسان کی ضروریات اور خو اہشات کا دائرہ اتنا وسیع ہی نہیں ہو سکتا کہ وہ ایک اوسط درجہ کی آمدنی میں گزر بسر نہ کر سکتا ہو ،اور اسے اپنے دائرہ سے پاؤں نکال کر دوسروں کی کمائیوں میں حصہ لڑانے کی ضرورت پیش آئے۔یااگر وا اوسط سے زیادہ آمدنی رکھتا ہو تو اپنا تمام مال خود اپنی ذات پر خرچ کردے اور اپنے بھائیوں کی مدد نہ کر سکے جو اوسط سے کم آمدنی رکھتے ہو ں۔

# جدید معاشی پیچیدگیوں کا

# اسلامی حل

آئیے اب ہم دیکھیں کہ اسلام کے دئیے ہو ئے اصولوں کی بنیاد پر وہ پیچید گی کس طرح حل ہو سکتی ہے جسے ہم نے "تاریخ کا سبق "پیش کرتے ہو ئے بیان کیا ہے ۔اس سلسلے میں سب سے پہلے چند بنیادی حقیقتوں کو اچھی طرح ذہین نشین کر لینا چاہیے ۔

## چند بنیادی حقیقتیں

او لین بات جس کو جان لینا اسلامی نظام تمدن کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے ، یہ ہے کہ اسلامی نقطہ نظر سے اصل اہمیت فرد کی ہے نہ کہ جماعت یا قوم یا معاشر ے کی ۔فرد جماعت کے لیے نہیں ہے بلکہ جماعت فرد کے لیے ہے ۔خدا کے سامنے جماعت یا قوم یامعاشرہ اپنی مجموعی حیثیت میں جواب دہ نہیں ہے بلکہ ایک ایک شخص فردا فردا اپنی ذاتی حیثیت میں ذمہ دار وجواب دہ ہے ۔اور اس ذاتی ذمہ داری وجواب دہی پر ہی انسان کی ساری اخلاقی قدروقیمت کا مدار ہے ۔اجتماعی زندگی سے اصل مقصود مجموعی خوشحالی نہیں بلکہ ایک ایک فرد انسانی کی فلاح و بہبود ہے ۔ ایک نظام اجتماعی کے صالح یافاسد ہو نے کا حقیقی معیار یہ ہے کہ وہ اپنے افراد کی شخصیتوں کے پھلنے پھولنے میں اور ان کی ذاتی صلاحیتوں کے بروئے کار آنے میں کس حد تک معاون و مدد گار یا مانع ومزاحم ہو تا ہے۔اس بنا پر اسلام اجتماعی تنطیم کی کسی ایسی صورت کو ،اور اجتماعی فلاح کے نام سے کسی ایسی اسکیم یا تدبیر کو پسند نہیں کرتا جس سے افراد اجتماعی شکنجے مین اس طرح کس جاتے ہو ں کہ ان کی مستقل شخصیت ہی دب جائے اور بہت سے آدمی چند آدمیوں کے ہاتھوں میں بے روح اوزار بن کر وہ جائیں۔

انسان کی انفرادیت کا صحیح نشوو نما اور اس کی شخصیت کا پو را ابھار اس کے بغیر ممکن نہیں ہے کہ اسے فکر وعمل کی آزادی حاصل ہو ۔اس غرض کے لیے صرف آزادی رائے ، آزادی تحریر و تقریر،آزادی سعی و عمل،اور آزادی اجتماع ہی ضروری نہیں ہے،بلکہ آزادی معاش بھی اتنی ہی ضروری ہے ۔ یہ ایک فطری حقیقت ہے جسے ثابت کرنے کے لیے کسی لمبی چوڑی بحث کی ضرورت نہیں ۔صرف عقل عام ہی اس کا ادراک کرنے کے لیے کافی ہے ۔ایک راہ چلتا آدمی بھی اس بات کو خوب جانتا ہے کہ جس شخص کی معاش آزاد نہیں ہے اسے درحقیقت کو ئی آزادی بھی حاصل نہیں ہے ،نہ رائے کی ،نہ زبان اور قلم کی اور نہ سعی وعمل کی ۔لہذا انسانیت کے لیے اگر معاشرے کی کو ئی حالت سب سے بہتر ہو سکتی ہے توصرف وہ جس میں ایک بندہ خدا کے لیے اس امر کے کافی مواقع موجود ہو ں کہ اپنے ضمیر کو فروخت کیے بغیر اپنے ہاتھ پاؤں کی محنت سے دو وقت کی روٹی پیدا کر سکے ۔اگر چہ صنعتی انقلاب کے دور میں اس کے مواقع بہت کم رہ گئے ہیں۔ بڑے صنعتی اور تجارتی اداروں نے اور بڑے پیمانے کی کاشت نے منفرد دست کا روں اور کاریگروں کے لیے اور چھوٹے چھوٹے سوداگروں اور کاشت کاروں کے لیے زندگی کا میدان اس قدر تنگ کر دیا ہے کہ وہ ان کے مقابلے میں اپنے آزاد پیشے کامیابی کے ساتھ نہیں چلا سکتے ۔تاہم جس نظام میں ذرائع پیداوار کی انفرادی ملکیت برقرار ہو اس میں باوسیلہ اشخاص کے لیے اس امر کا اچھا خاصا موقع باقی رہتا ہے کہ خود اپنے آزاد صنعتی یا تجارتی یا زراعتی ادارے قائم کریں اور بے وسیلہ کارکنوں کے لیے بھی کم ازکم اپنی گنجائش تو ضروری ہی باقی رہ جاتی ہے کہ ایک شخص یا ادارے کی نوکری و مزدوری ان کے ضمیر پر بار ہو تو دوسرے دروازے پر جا کھٹرے ہو ں۔ مگر جہاں تمام یا بیشتر ذرائع پیداوار کو اجتماعی ملکیت بنا دیا جائے ،یا جہاں شخصی ملکیتوں کو باقی رکھا جائے ،مگر نازی وفاشی طریقے پر سارے معاشی کاروبار کو ریاست کے مکمل تسلط میں ایک ہمہ گیر منصوبہ بندی کے تحت چلایا جائے ،ایسی جگہ تو افراد کی معاشی آزادی کسی طرح بھی باقی رہ ہی نہیں سکتی اور اس کا خاتمہ کے ساتھ ذہینی ،معاشرتی اور سیاسی آزادی کا جنازہ آپ سے آپ نکل جاتا ہے ۔لہذا جو نظام زندگی انسان کی انفرادیت کو عزیز رکھتا ہو اور انسانی شخصیت کے ابھار کو مقصدی اہمیت دیتا ہو اس کے لیے اس کے سوا چارہ نہیں ہے کہ اجتماعی فلاح کی ایسی تمام اسکیموں کو اصولی طور پر اور قطعی و حتمی طور پر رد کر دے جن میں یہ تجویز کیا گیا ہو کہ زمینوں اور کارخانوں اور تجارتوں کو قومی ملکیت بنا لیا جائے ،یا ان پر ریاست کا نازیانہ تسلط قائم کرکے ایک مرکزی منصوبہ بندی کے تحت ساری معیشت کی مشین گھمانی شروع کر دی جائے ۔ یہی پو زیشن اس معا ملہ میں اسلام نے اختیار کی ہے ۔وہ کمیو نزم کا تو ایک اور وجہ سے بھی مخالفت ہے ، اور وہ یہ ہے کہ کمیو نسٹ حضرات ذرائع پیداوار کو انفرادی ملکیت سے نکال کرقومی ملکیت بنانے کے لیے ماردھاڑ اور زبر دستی سے کام لیتے ہیں۔لیکن اگر اس اسکیم کو نافذ کرنے کے لیے یہ غا صبانہ ظلم وستم اور ظالمانہ سلب و نہب کا طریقہ نہ بھی اختیار کیا جائے،اور اس کے بجائے ارتقائی سوشلزم کے وہ طریقے استعمال کیے جائيں جن سے زمینوں اور صنعتوں اور تجارتو ں کو قوانین کے ذریعہ سے بتدریج قومی ملکیت میں تبدیل کیا جاتا ہے ،تب بھی اسلام کا مزاج اس کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہے ،کیونکہ اس طرح کا نظام اپنی عین فطرت ہی کے لحاظ سے انسانیت کش واقع ہو ا ہے ۔ علی ہذا القیاس نازی اور فا شی طرز کی ضابطہ بندیاں بھی اسلام کی طبعیت کے بالکل خلاف ہیں،اس لیے کہ ان کے اجتماعی فوائد خواہ کچھ بھی ہو ں، لیکن انسانی تشخص کے ظہو ر اور نشو و ار تقاء اور تکمیل میں وہ بہر حال مانع ہیں۔ اس معا ملہ کا ایک پہلو اور بھی ہے ۔اسلام جو ذہنیت اور اخلاقی نقطہ نظر انسان کے اندر پیدا کرتا ہے اس کا سنگ بنیاد ہے خدا کا خوف ،اور خدا کے سامنے اپنی ذمہ داری کا احساس۔یہ دونوں اوصاف جس شخص یا گروہ میں موجود ہو ں اس پر اگر اجتماعی معاملات کی سربراہی کا بار ڈال دیا جائے تو وہ ایسا ایک نظام قائم کرنے اور چلانے کے لیے خود ہی تیار نہیں ہو سکتا جس میں اپنے ذاتی بو جھ کے ساتھ ساتھ لاکھوں کروڑوں انسانوں کی انفرادی ذمہ داریوں کا بو جھ بھی وہ ان کے سر سے اتار کر خود اپنے سر پر لا دلے۔یہی وہ بات ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینے میں ایک قحط کے موقع پر فر مائی تھی۔جب آپ سے عر ض کیا گیا کہ قیمتیں بہت چڑھ رہی ہیں،آپ سر کاری طور پر اشیاء کے نرخ مقرر فرما دیجیے تو آپ نے ایسا کرنے سے انکار فرما دیا اور عذر یہ بیان کیا کہ انی ارید ان القی اللّہ ولیس لا حد عندی مظلمتہ یطلبنی بھا\_\_"میں اپنے خدا سے اس طرح ملنا چاہتا ہو ں کہ میرے خلاف کو ئی ایک شخص بھی ظلم کی شکایت کرنے والا نہ ہو ۔"[اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ نے گرانی کو اس کے حال پر چھوڑ دیا اور اس کے علاج کی طرف تو جہ نہیں فرمائی۔دراصل جس چیز سے آۖپ نے انکار کیا تھا وہ یہ تھی کہ حکو مت اپنی مصنوعی مداخلت سے قیمتوں کے پیچیدہ نظام کو درہم برہم کرے ۔اس طریقہ کو چھوڑکر آپ نے اپنی پو ری قوت کا روباری لو گو ں کی اخلاقی اصلاح پر صرف فرمائی اور مسلسل تبلیغ سے یہ بات ان کے ذہن نشین کی کہ جان بو جھ کر قیمتیں چڑھانا ایک بہت بڑا گناہ ہے ۔یہ تبلیغ خوب کار گر ثابت ہو ئی اور کچھ زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ قیمتیں اعتدال پر آنی شروع ہو گئیں۔]

مزید برآں اسلام ہر معاملہ میں انسان کو فطری حالت سے قریب تر رکھنا چاہتا ہے اور زندگی کے کسی پہلو میں بھی مصنوعی پن کو پسند نہیں کرتا ۔انسانی معیشت کے لیے فطری حالت یہی ہے کہ خدا نے رزق کے جو ذرائع اس زمین پر پیدا کیے ہیں ان کو افراد اپنے قبضے میں لا ئیں،فرد فرد اور گروہ گروہ بن کر ان پر تصرف اور ان سے استفادہ کریں اور اپنے آپس میں اشیاء اور خدمات کا آزاد نہ لین دین کرتے رہیں ۔غیر معلوم مدت سے اسی طرز پر انسانی معیشت کا کارخانہ چلتا آرہا ہے اور ہی گنجائش کچھ اور فطری نظام ہی میں نکل سکتی ہے کہ ایک آدمی معاشرے کے اندر رہتے ہو ئے بھی اپنی معیشت میں آزاد اور اپنی زندگی میں مستقل ہو سکے ۔رہے وہ بے شمار چھوٹے بڑے "ازم" جو نیم پختہ ذہن کے لوگ آئے دن تصنیف کرتے رہتے ہیں،تو وہ سب ایک نہ ایک طرح کا مصنوعی نظام تجویز کرتے ہیں جس میں آدمی ایک مستقل ذی روح انسان ایک ذی شعور شخصیت اور ایک مقصدی اہمیت رکھنے والی ہستی کی بجائے محض اجتماعی مشین کا ایک پرزہ بن کر رہ جاتا ہے ۔

مصنوعی طریقوں کی طرح اسلام انقلابی طریقوں کو بھی پسند نہیں کرتا ۔زمانہ جاہلیت میں اہل عرب کسب معاش کے بکثرت ایسے ذرائع استعمال کرتے تھے جن کو اسلام نے بعد میں آکر حرام اورسخت قابل نفرت ٹھیرایا۔مگر پہلے کی جو املاک چلی آرہی تھیں ان کے متعلق اسلام نے یہ جھگڑا نہیں اٹھایا کہ جن جن لوگو ں نے حرام خوری کے ذریعہ سے دولت کمائی تھی اب ان کی املاک ضبط ہو نی چاہییں۔حتی کہ سود خواروں اورقحبہ گری کا پیشہ کرنے والوں اور ڈاکے مارنے والوں تک کے پچھلے اعمال پر گرفت نہ کی گئی۔جس کے قبضے میں جو کچھ تھا،اسلام کے دیوانی قانون نے اس پر اس کے حقوق ملکیت تسلیم کر لیے ،آئندہ کے لیے حرام طریقوں کو بند کردیا۔اور سابقہ املاک کو اسلام کا قانون میراث بتدریج تحلیل کرتا چلا گيا۔

## تشخیص مرض

مذکو رہ بالا حقائق کو ذہن نشین کرنے کے بعد اب ذرا پیچھےپلٹ کر ایک نظر پھر ان مباحث پر ڈال لیجیے جو اس کتاب کے ابتدائی ابواب میں گزر چکے ہیں۔ان میں ہم نے یہ بتایا کہ صنعتی انقلاب کے دور میں سرمایہ داری کا جدید نظام اگر چہ اٹھا تو تھا معیشت کے انہی اصولوں پر جن پر غیر معلوم زمانے سے انسانی معاش کا کاروبار چلتا آرہا تھا،لیکن اس کے اندر خرابی پیدا ہو نے کے چار بنیادی سبب پائے جاتے تھے جو آگے چل کر سخت رد عمل کے موجب ہو ئے ۔

اول یہ کہ اس نظام کے قائم کرنے والوں اور چلانے والوں نے ان اصولوں کے معاملہ میں وہ مبالغہ برتا جو نئے صنعتی دور کے لیے کسی طرح موزوں نہ تھا ۔

دوم یہ کہ انھوں نے ان فطری اصولو ں کے ساتھ کچھ غلط اصولوں کی آمیزش بھی کر دی۔

سوم یہ کہ انہوں نے بعض ایسے اصولوں کو نظرانداز کر دیا جو ایک فطری نظام معیشت کے لیے اتنے ہی اہم ہیں جتنے وہ سات اصول جو نظام سرما یہ داری کی بنیاد کہے جا تے ہیں۔

اس کے بعد ہم تفصیل کے ساتھ انہی ابواب میں یہ بھی بتایا ہے کہ ایک طرف سوشلزم ، کمیونز،فاشزم اور نازی ازم نے اور دوسری طرف نظام سرمایہ داری کے موجو دہ وارثوں نے اس نظام کی پیدا کردہ خرابیوں کا علاج کرنے کی جو کو ششیں کی ہیں وہ اس وجہ سے ناکام ہو ئی ہیں کہ ان میں سے کسی نے بھی مرض کی بنیادی اسباب کو سرے سے نہیں سمجھا۔ایک گروہ نے معیشت کے ان فطری اصولوں ہی کو اصل سبب مرض سمجھ لیا جو قدیم ترین زمانے سے معمول پہ چلے آرہے تھے اور ان کا ازالہ کرنے کے ساتھ ساتھ انفرادی آزادی کا بھی ازالہ کر ڈالا۔دوسرے گروہ نے اپنی ساری تو جہ صرف شکایات رفع کرنے پر صرف کر دی اور ان بیشتر اسباب کو جو ں کا توں باقی رہنے دیا جو دراصل خرابی کے موجب تھے ،اس لیے کے نظام میں انفرادی آزادی تو باقی رہی مگر اس طرح کہ وہ اجتماعی مفاد کے لیے قریب قریب اتنی ہی نقصان دہ ہے جتنی نظام سرمایہ داری کے کسی تا ریک سے تاریک دورمیں تھی۔

اب جو شخص بھی اس تشخیص مرض پر غور کرے گا وہ بآ سانی اس نتیجے پر پہنچ جائے گا کہ انسانیت کو دراصل ایک ایسے حکیمانہ متوازن نظام کی ضرورت ہے جو :

اولا،معیشت کے فطری اصولوں کو تو برقرار رکھے،کیونکہ وہ انفرادی آزادی کے لیے ضروری ہیں،مگر ان کے برتنے میں مبالغہ کرنے کے بجائے افراد کی آزادی سعی و عمل پر ایسی پا بندیاں لگائے جن سے وہ اجتماعی مفاد کی نہ صرف یہ کہ دشمن نہ رہے بلکہ عملا خادم بن جائے ،

ثانیا،ان فطری اصولوں کے ساتھ غلط اصولوں کی ہر آمیزش کو نظام معیشت سے خارج کر دے ۔

ثا لثا،ان اصولوں کے ساتھ فطری نظام معیشت کے دوسرے بنیادی اصولوں کو بھی بروئے کار لائے اور

رابعا، افراد کو ان فطری اصولوں کے حقیقی تقاضوں سے ہٹنے نہ دے ۔

## اسلامی علاج

ٹھیک یہی طریق کار ہے جو اسلام نے اختیار کیا ہے ۔ وہ "بے قید معیشت" کو "آزاد معیشت" میں تبدیل کر دیتا ہے ،اور اس آزادی کو اسی طرح چند حدود کا پابند بناتا ہے جس طرح تمدن ومعاشرت کے تمام دوسرے شعبوں میں انسانی آزادی کو محدود کیا گیا ہے ۔اس کے ساتھ وہ ایسے تمام دروازے بند کر دیتا ہے جن سے آزاد معیشت میں فاسد ومفسد نظام سرما یہ داری کی خصوصیات اور اثرات و نتائج پیدا ہو نے کا امکان ہو ۔آئیے اب ہم ذرا تفصیل کے ساتھ دیکھیں کہ اسلام کے اصولو ں پر معیشت کا کیا نقشہ بنتا ہے ۔

## 1۔زمین کی ملکیت

اسلام تمام دوسری ملکیتوں کی طرح زمین پر انسان کی شخصی ملکیت تسلیم کرتا ہے ۔جتنی قانونی شکلیں ایک چیز پر کسی شخص کی ملکیت قائم و ثابت ہو نے کے لیے مقرر ہیں ان ساری شکلوں کے مطابق زمین بھی اسی طرح ایک آدمی کی ملکیت ہو سکتی ہے جس طرح کو ئی دوسری چیز۔اس کے لیے کو ئی حد مقرر نہیں ہے ۔ایک گز مربع سے لے کر ہزار ہا ایکڑ تک خواہ کتنی ہی زمین ہو ، اگر کسی قانونی صورت سے آدمی کی ملک میں آئی ہے تو بہر حال وہ اس کی جائز ملک ہے ۔ اس کے لیے خود کاشت کرنے کی قید بھی نہیں ہے ۔جس طرح مکان اور فرنیچر کرائے پر دیا جاسکتا ہے ۔ اور تجارت میں شرکت کی جاسکتی ہے ،اسی طرح زمین بھی کرائے پر دی جاسکتی ہے ،اور اس میں بھی شرکت کے اصول پر زراعت ہو سکتی ہے ۔ بلا کرایہ کو ئی شخص کسی کو دے ، یا بٹائی لیے بغیر کسی کو اپنی زمین میں کاشت کر لینے دے تو یہ صدقہ ہے ،مگر کرایہ و لگان [**زمین کے کرایے یا ٹھیکے کی جائز او ر ناجائز صورتو ں کا فرق ہم نے اپنی کتاب "مسلہ ملکیت زمین " میں واضح کیا ہے**] ۔یا بٹائی پر معاملہ طے کرنا ویسا ہی ایک جائز فعل ہے جیسے تجارت میں حصہ داری یا کسی دوسری چیز کو کرایہ پر دینا۔رہیں "نظام جاگیرداری"کی وہ خرابیاں جو ہمارے ہاں پائی جاتی ہیں،تو نہ وہ خالص زمینداری کی پیداوار ہیں اور نہ ان کا علاج یہ ہے کہ سرے سے زمین کی شخصی ملکیت ہی اڑا دی جائے ،یا اس پر مصنوعی حد بندیاں عائد کی جائیں جو "زرعی اصلاحات"کے نام سے آج کل کے نیم حکیم تجویز کر رہے ہیں۔بلکہ اسلامی اصول پر ان کا علاج یہ ہے :

(1) زمین کی خرید و فروخت پر تمام پابندیاں اٹھا دی جائیں اور اس کا لین دین بالکل اسی طرح کھلے طور پر ہو جس طرح دنیاکی دوسری چیزوں کا ہو تا ہے ۔

(2) زراعت پیشہ اور غیر زراعت پیشہ طبقوں کی مستقل تفریق ہو شکل اور ہر حیثیت سے قطعی ختم کر دی جائے ۔

(3) و ہ مخصوص امتیازی حقوق بھی از روئے قانون منسوخ کر دئیے جائيں جو ہماری زندگی میں مالکان زمین کو حاصل ہیں۔

(4) مالک زمین اور کاشتکار کے درمیان حقوق وفرائض ازروئے قانون مقرر کر دئيے جائيں اور ان مقرر حقوق کے ماسوا کسی دوسری قسم کے حقوق مالکان زمین کو اپنے مزارعین پر حاصل نہ ہو ں۔

(5) زمینداری کی واحد صورت صرف یہ باقی رہنے دی جائے کہ مالک زمین اور مزارع کے درمیان تجارت کے شر یکوں جیسا تعلق ہو ۔ اس سے گزر کر جو زمیند اری آلہ ظلم بن جائے یا ریاست کے اندر ایک ریاست کی شکل اختیار کر جائے،یا جسے ناجائز طریقوں سے سیاسی اقتدار حاصل کرنے کا ذریعہ بنا لیا جائے ،وہ چونکہ جائز زمیندا ری کی تعریف سے خارج ہے اس لیے اسے شخصی ملکیت کا وہ تحفظ حاصل نہ ہو جو صرف جائز زمینداری کا حق ہے ۔

(6) میراث کے معاملہ میں تمام رسوم جاہلیت کا خاتمہ کر دیا جائے ۔ زمینداروں کی موجو دہ املاک شرعی طریقے پر ان کے زندہ وارثوں کے درمیان تقسیم کر دی جائیں اور آئندہ کے لیے زرعی جائیداد کے معاملہ میں اسلام کا قانون میراث ٹھیک ٹھیک نافذ کیا جائے ۔

(7) زمین بے کار ڈال رکھنے پر پابندی عائد کر دی جائے ۔مثلا یہ کہ جو زمینیں حکو مت نے کسی کو بلا معاوضہ دی ہو ں و ہ اگر تین سال سے زیادہ مدت تک بے کار ڈال رکھی جائیں گی تو عطیہ منسوخ ہو جائے گا۔اور جو زر خرید زمینیں افتادہ چھوڑ رکھی جائیں گی ان پر ایک خاص مدت کے بعد ٹیکس لگا دیاجائے گا۔

(8) زمینداروں اور کاشت کاروں سے ان کی پیداوار کا ایک مخصوص حصہ ان مقاصد کے لیے الگ لے لیا جائے جن کا ذکرآگے زکوۃ کے زیر عنوان آرہا ہے ۔

(9) نئے سائنٹفک طریقوں سے اگر بڑے پیمانے کی کاشت کرنی ہو تو اس کے لیے امداد باہمی کے ایسے ادارے قائم کیے جائیں جن میں چھوٹے چھوٹے مالکان زمین اپنے مالکانہ حقوق قائم رکھتے ہو ئے آپس کی ر ضامندی سے اپنی املاک کو ایک بڑے کھیت میں تبدیل کر لیں اور مل جل کر ایک انجمن کی طرح اس کے کاروبار چلائیں۔

کیا ان اصلاحات کے بعد زمینداری میں کو ئی ایسی خرابی باقی رہ جاتی ہے جس کی معقولیت کے ساتھ نشاندہی کی جاسکتی ہو ۔[ زمین اور اس کے انتظام کے بارے میں اسلامی احکام کا ایک مجموعہ "مسلہ ملکیت زمین" کے نام سے ہم نے الگ مرتب کر دیا ہے جس سے اس اجمال کی تفصیل معلوم ہو سکتی ہے ۔]

## 2۔دوسرے ذرائع پیداوار

اسلام اشیاء استعمال اور ذرائع پیداوار کے درمیان اس طرح کا کو ئی فرق تسلیم نہیں کرتا کہ ایک پر شخصی ملکیت جائز ہو اور دوسرے پر نہ ہو ۔اس کے نزدیک یہ بات با لکل جائز ہے کہ ایک آدمی دوسرے لو گوں کے لیے ان کی ضروریات زندگی میں سے کو ئی چیزتیار یا فراہم کرے اور اسے ان کے ہا تھ فروخت کرے ۔یہ کام وہ خود اپنے ہاتھ سے بھی کر سکتا ہے اور دوسروں سے اجرت پر لے بھی سکتا ہے ۔ایسے سامان کی تیاری یا فراہمی میں وہ جس مواد خام کو ،جن آلات کو اور جس کار گاہ کو استعمال کرے،ان سب کا وہ مالک ہو سکتا ہے ۔یہ سب کچھ جس طرح صنعتی انقلاب کے دور سے پہلے جائز تھا اسی طرح اس دور میں بھی جائز ہے ۔مگر بے قید صنعت و تجارت نہ پہلے صحیح تھی اور نہ اب صحیح ہے ۔اسلامی اصول پر اسے حسب ذیل قواعد کا پابند بنانا ضروری تھا اور ہے :

1. کسی ایسی فنی ایجاد کو ،جو انسانی طاقت کی جگہ مشینی طاقت سے کام لیتی ہو ،صنعت و حرفت اور کاروبار میں استعمال کرنے کی اس وقت تک اجازت نہ دی جائے جب تک اس امر کا اچھی طرح جائزہ نہ لیا جائے کہ ان متاثر ہو نے والے لوگو ں کی معیشت کا کیا بندوبست ہو گا۔
2. اجیروں اور مستا جروں کے درمیان حقوق اورفرائض اور شرائط کا ر کا تفصیلی تعین تو بہر حال فریقن ہی کی باہمی قرارداد پر چھوڑا جائے گا۔مگر ریاست اس معاملہ میں انصاف کے چند اصول لازما طے کردے ۔مثلا ایک کارکن کے لیے کم سے کم تنخواہ یا مزدوری کا معیار،زیادہ سے زیادہ اوقات کار کی حد،بیماری کی حالت میں علاج کے اور جسمانی نقصان کی صورت میں تلافی کے اور ناقابل کار ہو جانے کی حالت میں پنشن کے کم از کم حقوق اور ایسے ہی دوسرے امور۔

(3) اجیر ومستاجر کی نزاحات کا تصفیہ حکومت اپنے ذمہ لے اور اس کے لیے باہمی مفاہمت،ثالتی اور عدالت کا ایک ایسا ضابطہ مقرر کر دے جس کی وجہ سے ہڑتا لو ں اور در بندیوں ( lock out )کی نوبت ہی نہ آئے پائے ۔

(4) کاروبار میں احتکار ۔1ے۔ (hoarding)سٹے( speculation) تجارتی قماربازی اور غائب سودوں کی قطعی ممانعت کر دی جائے اور ان تمام طریقوں کو از روئے قانون بند کیا جائے جن سے قیمتوں پر ایک مصنوعی آماس چڑھتا ہے ۔2۔

(5) پیدا وار کو قصدا برباد کرنا جرم قرار دیا جائے ۔

(6) صنعت اور تجارت کا ہر شعبہ حتی الا مکان مسابقت کے لیے کھلا رہے اور اجارہ داریوں سے کسی شخص یا گروہ کو ایسے امتیازی حقوق نہ مل جائیں جو دوسرے لو گوں کو حاصل نہ ہو ں۔

(7) ایسی صنعتوں اور تجارتو ں کی اجازت نہ ہو جو عا متہ الناس کے اخلاق یا صحت پر برا اثر ڈالتی ہو ں۔اس طرح کی کو ئی چیز اگر کسی پہلو سے ضروری ہو تو اس کی صنعت و تجارت پر تابحد ضرورت پا بندیاں عائد کی جائیں۔

(8)حکو مت نازی طریقوں پر صنعت وتجارت کو بالکل اپنے تسلط( control)میں تو نہ

**1ے۔ یعنی اشیاء ضرورت کے ذخائر کو سمیٹ سمیٹ کر فروخت سے روک رکھنا تاکہ ان کی قیمتیں چڑھ جائیں۔**

**2ے۔ اسلامی شریعت کا تجارتی قانون درحقیقت معاشی زندگی کی اصلاح کا ایک بڑا اہم باب ہے جس سے دنیا نے فائدہ اٹھانے کی کو شش نہیں کی،بلکہ خود مسلمانوں نے بھی اس سے مجرمانہ غفلت برتی ہے ۔ یہاں اس قانون کی تفصیلات بیان کرنے کا موقع نہیں ہے ۔انشاء اللہ عنقریب ایک مستقل رسالہ خاص اس موضوع پر مرتب کر دیا جائے گا۔اس مقام پر صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ کاروبار کے ان غلط طریقوں کو ازروئے قانون بند ہو نا چاہیے جو اجتماعی مفاد کے لیے نقصان دہ ہیں۔**

لے ،مگر رہنمائی اور تو فیق(co-ordination)کی خدمت لازما انجام دیتی ر ہے تا کہ ملک کی صنعت و تجارت غلط راستوں پر بھی نہ جانے پائے،اورمعا شی زندگی کے مختلف شعبوں مین ہم آہنگی بھی پیدا ہو سکے ۔

(9) اسلامی قانون میراث کے ذریعے سے زمیندا روں کی طرح صنا عو ں اور کاروباری لو گوں کی سمیٹی ہو ئی دولت بھی پیہم تقسیم ہو تی رہے تا کہ مستقل دولت مند طبقے نہ بننے پائیں۔

(10) اہل زراعت کی طرح تاجروں اور صناعوں اور کاروباری لو گو ں سے بھی ان کی آمدینوں کا اک حصہ ان مقاصد کے لیے لازما لے لیا جائے جن کا ذکر آگے زکوۃ کے زیر عنوان آرہا ہے ۔

## 3۔مالیات

مالیات میں اسلام افراد کے اس حق کو تسلیم کرتا ہے کہ ان کی آمدنیوں کا جو حصہ ان کی ضروریات سے بچ رہے ،اسے جمع کریں یا دوسروں کو قرض دیں یا خود کسی کاروبار میں لگائيں یا کسی صنعت وتجارت میں اپنا سرمایہ دے کر اس کے نفع و نقصان میں حصہ دار بن جائیں۔اگرچہ اسلام کی نگاہ میں پسندیدہ تو یہی ہے کہ لوگ اپنی فا ضل آمدنیوں کو نیک کاموں میں خرچ کر دیا کر یں۔لیکن وہ مذکو رہ با لا طریقوں کو بھی جائز رکھتا ہے بشرطیکہ وہ حسب ذیل قواعد کے پابند ہو ں۔

1. جمع کرنے کی صورت میں وہ اس جمع شدہ دولت کا  فی صدی سالانہ حصہ لازما ان کاموں کے لیے دیتے رہیں جن کا ذکر آگے زکوۃ کے زیر عنوان آرہا ہے ،اور جب وہ مریں تو ان کا پو را سرمایہ اسلامی قانون میراث کے مطابق ان کے وارثوں میں

تقسیم ہو جائے۔

(2)قرض دینے کی صورت میں وہ صرف اپنا دیا ہو ا سرمایہ ہی واپس لے سکتےہیں،کسی حالت میں سود کے مستحق وہ نہیں ہیں،خواہ قرض لینے والے نے اپنے ذاتی مصارف میں صرف کرنے کے لیے قرض لیا ہو یا کسی صنعت وتجارت میں لگانے کے لیے ۔اسی طرح وہ اس امر کا حق بھی نہیں رکھتے کہ اگر اپنے دئیے ہو ئے مال کی واپسی کا اطمینان کرنے کے لیے انہوں نے مدیون سے کوئی زمین یا جائداد رہن کے طور پر لی ہو تو وہ اس سے کسی قسم کا فائدہ اٹھائیں۔قرض پر فائدہ بہر حال سود ہے اور وہ کسی شکل میں بھی نہیں لیا جا سکتا علی ہذا القیاس یہ بھی جائز نہیں کہ نقد خریداری کی صور ت میں ایک مال کی قیمت کچھ ہو اور قرض پر خریدنے کی صورت میں اس سے زیادہ ہو ۔

(3) صنعت وتجارت یا زراعت میں براہ راست خود سرما یہ لگانے کی صورت میں ان کو ان قواعد کا پابند ہو نا پڑے گا جو اوپرزمین اور دوسرے ذرائع پیداوار کے سلسلے میں ہم بیان کر چکے ہیں۔

(4) حصہ داری کی صورت میں ان کو لا زما نفع اور نقصان میں یکساں شر یک ہو نا پڑے گا، اور وہ طے شدہ تناسب کے مطابق دونوں میں حصہ دار ہو نگے ۔شرکت کی کو ئی ایسی صورت قانونا جائز نہ ہو گی جس کی رو سے سرمایہ دینے والا صرف نفع میں شریک ہو ، اورمقرر شرح منافع کا لازما حق دار قرار پائے۔

## زکوۃ

اسلام معاشرے اور ریاست کے ذمہ یہ فرض عائد نہیں کرتا کہ وہ اپنے افراد کو روزگار فراہم کرے ۔اس لیے کہ فراہمی روزگار کی ذمہ داری بغیر اس کے نہیں لی جا سکتی کہ ذرائع پیداوار پر اجتماعی قبضہ یا کم از کم نازی طرز کا تسلط ہو ،اور اس کی غلطی ومضرت پہلے بتائي جاچکی ہے ۔لیکن اسلام اس کو بھی صحیح نہیں سمجھتا کہ اجتماعی زندگی میں افراد کو با لکل ان کے اپنے ہی ذرائع اور اپنے ہی حالات پر چھوڑ دیا جائے اور آفت رسید لوگوں کی خبر گیری کا کو ئی بھی ذمہ دار نہ ہو ۔وہ ایک طرف ہر انسان پر فردا فردا یہ اخلاقی فریضہ عائد کرتا ہے کہ وہ اپنے اور پرائے جس فردبشر کو بھی مدد کا محتاج پائے اسکی مدد اپنی حد استطاعت تک ضرور کرے ۔ دوسری طرف وہ صناعوں ،تاجروں اور زمینداروں سے بھی یہ مطالبہ کرتا ہے کہ اپنے کا روبار کے سلسلہ میں جن لو گو ں سے وہ کام لیتے ہیں ان کے حقوق ٹھیک ٹھیک ادا کریں۔اور اس سب پر مزید یہ کہ وہ پورے معاشرے اور ریاست پر یہ ذمہ داری عائد کرتا ہے کہ اس کے حد ودعمل کے اندر رہنے والا کو ئی شخص کم سے کم ضروریات زندگی سے محروم نہ رہنے پائے ۔معاشرے کے اندر جو لو گ بے روزگار ہو جائیں،یا کسی عارضی سبب سے ناقابل کار ہوں،یا کسی مستقل وجہ سے ناکارہ ہو جائيں ،یا کسی حادثے اور آفت کا شکار ہوں، ان سب کو سہارا دینا ریاست کی ذمہ داری ہے ۔ وہ بچے جن کا کو ئی سرپر ست نہیں،ان کی سرپرستی کرنا ریاست کا فرض ہے ۔حد یہ ہے کہ جو شخص قرضدار ہو اور اپنا قرض ادا نہ کر سکے اس کا قرض بھی بآلا خر ریاست پر جاتا ہے ۔یہ سوشل انشورنس کی ایک وسیع ترین اسکیم ہے جو براہ راست ریاست کے انتظام میں رد بعمل آنی چاہیے ۔اس کے لیے مالی وسائل کی فراہمی کا انتظام اسلام حسب ذیل طریقہ پر تجویز کرتا ہے:

1. ہر شخص جس نے ایک مقرر نصاب سے زائد سرمایہ حمع کر رکھا ہو ، اپنے سرمایہ کا فی صدی حصہ سالانہ زکوۃ میں دے ۔
2. ہر زمیندار و کاشتکا ر اپنی بارانی زمینوں کی پیداوارکا 10فی صدی اور چاہی و نہریں زمینوں کی پیداوارکا 5 فی صدی حصہ اس مد میں ادا کرے ۔
3. ہر صناع اور تاجر ہر سال کے اختتام پر اپنے اموال تجارت کی مالیت کا فی صدی حصہ دے ۔
4. ہر گلہ بان جو ایک خاص مقدار نصاب سےزیادہ مویشی رکھتا ہو، ایک خالص تناسب کے مطابق اپنی حیوانی دولت کا ایک حصہ ہر سال حکو مت کے حوالہ کر دے ۔
5. معدنیات اور دفینوں میں سے بھی خمس لیا جائے ۔
6. اور کو ئی جنگ پیش آئے تو اموال غنیمت میں سے 20 فیصدی حصہ ان اغراض کے لیے الگ کر لینا چاہیے۔

یہ پو ری دولت ان مصارف کے لیے وقف ہو گی جو قرآن مجید میں زکوۃ اور خمس کے لیے مقرر کیے گئے ہیں،جن کا ایک جزو اعظم سوشل انشورنس کی وہ اسکیم ہے جس کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے **۔[ زکوۃ اور خمس کے جن مسائل کا یہاں اشارہ کا گيا ہے ان پر تفصیلی معلومات ہماری کتاب رسائل و مسائل حصہ دوم میں ملیں گی۔]**

## 5۔حکومت کی محدود مداخلت

اسلام اس بات کو اصولا پسند نہیں کرتا کہ حکو مت خود صناع یا تاجر یازمیندار بنے ۔اس کے نزدیک حکو مت کا کام رہنمائی ہے ،قیام عدل ہے ،مفاسد کی روک تھام ہے ، اور اجتماعی فلاح کی خدمت ہے ۔مگرسیاسی طاقت کے سوداگری کو جمع کرنے کی قباحتیں اتنی زیادہ ہیں کہ وہ اس کے چندظاہری فوائد کی خاطر ان کو گوارا کرنے کے لیے تیار نہیں ہے ۔ وہ صرف ایسی صنعتوں اور ایسے کاروبار کو حکومت کے انتطام میں چلانا جائزرکھتا ہے جو قومی زندگی کے لیے ضروری تو ہوں،مگر یا تو افراد انہیں چلانے کے لیے خود تیار نہ ہو ں،یا انفرادی ہاتھوں میں ان کا رہنا فی الواقع اجتماعی مفاد کے لیے نقصان دہ ہو ۔اس قسم کے کاموں کے ماسوا دوسرے صنعتی وتجارتی کام اگر ملک کی ترقی و بہبو د کی خاطر حکو مت خود شروع کرے بھی تو اس کی کو شش یہ ہو نی چاہیے کہ ایک خاص حد تک کامیابی کے ساتھ چلانے کے بعد وہ اس کاروبار کو انفرادی ہاتھوں میں منتقل کر دے ۔

## متوازن معیشت کے چار بنیادی اصول

یہ حد ود و ضوابط اور یہ اصلاحی تدبیریں اگر معیشت کے ان سات فطری اصولو ں کے سات جمع کر دی جائیں جو "جدید نظام سر ما یہ داری" کے باب میں ہم بیان کر چکے ہیں ،تو اس سے جاگیرداری و سرما یہ داری کی تمام خرابیوں کا سدباب ہو جاتا ہے اور ایک ایسا متوازن نظام معیشت بن جاتا ہے جس میں انفرادی آزادی اور اجتماعی فلاح، دونوں ٹھیک ٹھیک عدل کے ساتھ سموئے جا سکتے ہیں،بغیر اس کے کہ موجو رہ صنعتی انقلاب کی رفتار ترقی میں ذرہ بھر بھی خلل آنے پائے ۔

اس متوازن معیشت کے بنیادی ارکان چار ہیں:

1. آزاد معیشت چند قانونی اور انتظامی حدود و قیود کے اندر
2. زکوۃ کی فرضیت۔
3. قانون میراث۔
4. سود کی حرمت۔

ان میں سے پہلے رکن کو کم ازکم اصولی طور پر وہ سب لو گ اب درست تسلیم کرنے لگے ہیں جن کے سامنے بےقید سرمایہ داری کی قباحتیں اور اشتراکیت و فاشیت کی شناعتیں بے نقاب ہو چکی ہیں۔اس کی تفصیلات کے بارے میں کچھ الجھنیں ذہنوں میں ضرورپائی جاتی ہيں،مگر ہمیں امید ہے کہ جو کچھ اس باب میں ہم نے زمین اور دوسرے ذرائع پیداوار کے زیر عنوان بیان کیا ہے اس کے مطالعہ سے وہ الجھنیں بھی دور ہو جائيں گی اور ہماری کتاب "مسلہ ملکیت زمین:بھی انہیں دور کرنے میں کافی مدد گار ثابت ہو گی۔

دوسرے رکن کی اہمیت اب بڑی حد تک دنیا کے سامنے واضح ہو چکی ہے ۔کسی صاحب نظر سے یہ بات مخفی نہیں رہی ہے کہ اشتراکیت،فاشزم اور سرمایہ دارانہ جمہو ریت، تینوں نے اب تک سوشل انشورنس کا جو و سیع نظام سوچا ہے ،زکوۃ اس سے بہت زیادہ وسیع پیمانے پر اجتماعی انشورنس کا انتظام کرتی ہے ۔لیکن یہاں بھی کچھ الجھنیں زکو ۃ کے تفصیلی احکام معلوم نہ ہو نے کی وجہ سے پیش آتی ہیں۔اور لو گوں کے لیے یہ بات سمجھنی بھی مشکل ہو رہی ہے کہ ایک جدید ریاست کے مالیات میں زکوۃ و خمس کو کس طرح نصب کیا جا سکتا ہے۔اس معاملہ میں ہم تو قع رکھتے ہیں کہ "احکام زکو ۃ"پر ہمارا مختصر رسالہ تشفی بخش ثابت ہو گا۔

تیسرے رکن کے بارے میں اسلام نے تمام دنیا کے قوانین وراثت سے ہٹ کر جو مسلک اختیار کیا ہے ،پہلے اس کی حکمتوں سے بکثرت لو گ ناواقف تھے اورطرح طرح کے اعتراضات اس پر کرتے تھے ،لیکن اب بتد ریج ساری دنیا اس کی طرف رجوع کرتی جارہی ہے ۔حتی کہ روسی اشتراکیت کو بھی اس کی خو شہ چینی کرنی پڑی ہے۔[ **سوویٹ روس کے تازہ ترین قانون وراثت میں اولاد،بیوی،شوہر،والدین،بھائیوں اور بہنوں اور متینی کو وارث ٹھرایا گیا ہے ۔نیز یہ قاعدہ بھی مقرر کیا گیا ہے کہ آدمی اپنا ترکہ اپنے حا جت مند قریبی رشتہ داروں اور پبلک اداروں میں تقسیم کرنے کی وصیت کر سکتا ہے مگر رشتہ داروں کا حق مقدم ہے، اس کے ساتھ ایسی وصیت ممنوع ٹھیرائی گیی ہے جس کا مقصود نابالغ اولاد یا غریب وارثوں کو حق وراثت سے محروم کرنا ہو ۔ اس قانون کو دیکھ کر کو ئی شخص یہ محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اشتراکی"ترقی پسندوں" نے 1945ءمیں اس قانون کی طرف رجعت فرمائی ہے جو 625ءمیں بنایا گیا تھا۔**]مگر اس نقشے کے چو تھے رکن کو سمجھنے میں موجو دہ زمانے کے لو گو ں کو سخت مشکل پیش آرہی ہے ۔بورژوا علم معیشت نے پچھلی صدیوں میں یہ تخیل بڑی گہری جڑوں کے ساتھ جما دیا ہے کہ حرمت محض ایک جذباتی چیز ہے ،اور یہ بلا سود کسی شخص کو قرض دینا ایک اخلاقی رعایت ہے ۔جس کا مطالبہ مذہب نے خواہ مخواہ اس قدر مبالغہ کے ساتھ کن دیا ہے ورنہ منطقی حیثیت سے سود سراسر ایک معقول چیز ہے اور معاشی حیثیت سے وہ صرف ناقابل اعتراض ہی نہیں بلکہ عملا مفید اورضروری بھی ہے ۔اس غلط نظریہ اور اس کی اس پر زور تبلیغ کا ا ثر یہ ہے کہ جدید نظام سرمایہ داری کے تمام عیو ب پر کسی کی نگاہ نہیں پڑتی۔حتی کہ رو س کے اشتراکی بھی اپنی مملکت میں سرمایہ داری نظام کی اس ام الخبا ئث کو برطانیہ اور امریکہ ہی کی طرح پرورش کر رہے ہیں ۔اور حد یہ ہے کہ خو د مسلمان بھی ،جن کو دنیامیں سود کا سب سے بڑا دشمن ہو نا چاہیے،مغرب کے اس گمراہ کن پرو پیگنڈ اسے بری طرح متاثر ہو چکے ہیں۔ہمارے شکست خوردہ اہل مذہب میں یہ عام غلط فہمی پھیل گئی ہے کہ سود کو ئی قابل اعتراض چیز اگر ہے بھی تو صرف اس صورت میں جبکہ وہ ان لو گوں سے وصول کیا جائے جو اپنی ذاتی ضروریات پر خرچ کرنے کے لیے قرض لیتے ہیں،رہے وہ قرضے جو کاروبارمیں لگا نے کے لیے حاصل کیے گئے ہوں،اور اس میں دین،اخلاق،عقل اور اصول علم معیشت،کسی چیز کے اعتبار سے بھی کو ئی قباحت نہیں ہے۔ اس پر مزید وہ خوش فہمیاں ہیں جن کی بنا پر قدیم طرز کے بینوں اور سا ہو کاروں کی سود خواری سے موجو دہ زمانہ کے بینکنگ کو ایک مختصر چیز سمجھا جاتا ہے۔اور خیال کیا جاتاہے کہ ان بینکوں کا "ستھرا" کاروبار تو بالکل ایک پا کیزہ چیز ہے جس سے ہر قسم کا تعلق رکھا جاسکتا ہے ۔ان تمام مغالطوں کے چکر سے جو لوگ نکل گئے ہیں وہ یہ بھی سمجھنے میں مشکل محسوس کررہے ہیں کہ سود کو قانونا بند کر دینے کے بعد موجو دہ زمانے میں مالیات کا نظم کس طرح قائم ہو سکتا ہے۔ان مسائل پر ایک مستقل بحث کی ضرورت ہے جس کے لیے اس رسالہ میں گنجائش نہیں ہے ۔میری کتاب "سود" انہی مسائل کے لیے مختص ہے ، اس لیے جو اصحاب ان کے متعلق تشفی چاہتے ہیں وہ اس کا مطالعہ فرمائیں۔